بیادِ امام اہل سنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز

سہ ماہی ممبئی

افکارِ رضا

امام الکلام مولانا احمد رضا بریلوی کو تقریباً پچاسی علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل تھی انھیں میں ایک "فنِ شعر وادب" بھی ہے دیگر شعراء نے نعت گوئی کی لیکن رضا بریلوی کو نعتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھنے پر جتنی کامیابی نصیب ہوئی دیگر شعراء کو شاید وباید ہی حاصل ہوئی ہو اور کیوں نہ ہو جبکہ امام الکلام کا ہر شعر قرآن پاک یا احادیث کی ترجمانی یا تفسیر وتشریح ہے۔ شمع رضا کی روشنی آج سے تقریباً ستر سال قبل جنوبِ ہند میں پھیلانے والے آل رسول سیدنا مقبول احمد شاہ قادری فاضل کشمیری اکثر مجلس رشد وہدایت میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر دورِ حاضر کے علماء عاشقِ رسول ﷺ سیدنا اعلیٰحضرت کے ایک یا دو اشعار کی تشریح کریں تو رات بھر بیان کر سکتے ہیں گویا اعلیٰحضرت کا کلام سمندر در کوزہ کا مصداق ہے" علامہ فیض احمد اویسی صاحب کی "شرح حدائق بخشش" سے علامہ فاضل کشمیری کے قول کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

مفتی محمد ابراہیم مقبولی

تحریکِ فکرِ رضا

۱۲۷، ڈم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی-۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

سہ ماہی　　ممبئی

افکارِ رضا

JUNE 1999 , VOLUME : I ISSUE : 1

پرنٹر پبلشر : محمد اسحٰق محمد عمر

مالک : زبیر علی حبیب علی

مطبع : پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس---18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔۴۰۰۰۰۸

پتہ ناشر : ۱۶۷، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔۴۰۰۰۰۸

ایڈیٹر : زبیر علی حبیب علی

صفحات : ۴۸

فہرست

اداریہ

محمد زبیر قادری

پیغامِ یومِ رضا

ہر سال ۲۵، صفر المظفر کو امامِ اہلِ سنت اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ الرضوان کا عرس مبارک تمام دنیا میں بڑے ہی تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے امسال بھی یہ سعادت ہمیں میسر آئیگی اور ہو سکتا ہے کہ جب تک یہ رسالہ آپ تک پہنچے عرسِ اعلیٰحضرت منایا جاچکا ہوگا۔ ہر سال ہم سُنّی مختلف تقریبات کا انعقاد کر کے امامِ اہلسنّت کا یومِ رضا منا کر خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ جہانِ رضا میں یادگارِ رضا کو قائم و دائم رکھنے کیلئے افکارِ رضا اور پیغامِ رضا کی ترویج و اشاعت کے عہد و پیمان کئے جاتے ہیں۔ معارفِ رضا کی تفہیم کیلئے مجالسِ رضا منعقد کی جاتی ہیں۔ الحمد للہ! گزشتہ چند سالوں سے فخرِ رضا کے امین، پیغامِ رضا کا کارواں لیے جہانِ رضا میں دھوم مچا رہے ہیں۔ بہت ہی کم عرصہ میں ہم نے اُن کورباطنوں کی آنکھوں سے تعصّبات کی پٹیاں ہٹانے کا کام کیا ہے جو عرصۂ دراز سے رضا ناشناسی کی بناء پر مخالفین رضا بنے ہوئے تھے۔ البتہ تقویت الایمانی حضرات اب تک رضا دشمنی میں لگے ہوئے ہیں۔

ان سب کے باوجود عوامِ اہلسنّت سادہ لوح، کم علم اور کم فہم ہیں۔ وہ باطل کے سنہری جالوں میں پھنستے چلے آرہے ہیں۔ عوامِ اہلسنّت نئے شکاریوں کے نئے نئے جالوں سے بچ نہیں پارہے ہیں۔ ان حالات کے تحت ہمیں بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم بھی عصرِ حاضر کے جدید تقاضوں سے منہ نہ موڑیں۔ آج بھی ہماری جماعت کے اکابرین چند فروعی مسائل کی بنیاد پر رفتارِ زمانہ سے کٹے ہوئے ہیں جس وجہ سے ہمیں مسلسل نقصانات کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔ اس کے علاوہ عوام الناس میں سنّیوں کی اکثریت ہونے کے باوجود ہم ہر معاملے میں کمتر دکھائی دیتے ہیں۔ ہم متحدہ طور پر نہ سہی کم سے کم اپنی اپنی تنظیموں، اداروں اور حلقوں کے تحت ہی مسلکِ اہلسنّت کا تعمیری کام کر جائیں تو یہی بہت ہے۔

امام احمد رضا نے اپنی ساری زندگی مسلکِ اہلسنّت کی ترویج و اشاعت اور تحفظ و بقا کیلئے تقریر و تدریس کے علاوہ تحریری وہ خدمات انجام دی ہیں جو ہمیشہ کیلئے ہمارے لیے رہنمائی کا کام کرتی رہیں گی۔ تقریر سے زیادہ تحریر دیرپا اور مفید اثرات کی حامل ہوتی ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ پڑھنے لکھنے

والوں کی تعداد تقریریں سننے والوں سے بہت کم رہتی ہے مگر پڑھے لکھے اور دانشور حضرات ہی معاشرے کی نمائندگی کرتے ہیں اور باطل کی دسیسہ کاریوں کا جواب دے سکتے ہیں۔ نیز صحت مند لٹریچر ہی کسی بھی جماعت کا عکاس اور ذریعۂ ابلاغ ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں اپنی تمام تر توجہ لٹریچر کی اشاعت کی جانب مبذول کردینی ہوں گی۔ آیئے ہم اور آپ مل کر یوم رضا کے اس دن میں امام احمد رضا کے پیغام کو عام کریں۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿

اخبارِ رضا

☆حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے مزار اقدس کی شہادت، بے حرمتی اور کسی خفیہ جگہ پر منتقلی کے خلاف عالم اسلام میں شدید غم وغصہ کا اظہار کیا گیا اور زبردست احتجاج کیا گیا۔ رضا اکیڈمی ممبئی نے احتجاجی دھرنا دیا اور مسئلہ کی نوعیت کو اجاگر کرنے کیلئے ہینڈبل شائع کرکے تقسیم کیا گیا۔ اس موقع پر پاکستان میں بھی بے شمار اداروں نے شدید احتجاج کیا اور مختلف کتابیں شائع کرکے مفت تقسیم کی گئیں (۱) مزارِ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غیر شرعی خفیہ منتقلی، مرتب وناشر سید محمد اخلاق، کراچی (۲) والیانِ نجد وحجاز کا تاریخی جائزہ، مصنف: علامہ یٰسین اختر مصباحی، ادارہ معارفِ نعمانیہ۔ لاہور (۳) سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اور مملکتِ سعود کی ستم کاریاں، مرتب: فاروق احمد علوی، ناشر: فیضانِ طیبہ لائبریری۔ لاہور (۴) نجدیوں کا سیاہ کارنامہ، مصنف: محمد اشرف آصف جلالی، ناشر: سنی قلم سوسائٹی لاہور (۵) حضرت سیدہ صادقہ امینہ آمنہ رضی اللہ عنہا، تالیف: کرنل (ر) محمد انور مدنی لاہور (۶) ماہنامہ "کنزالایمان" لاہور کا حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نمبر ☆افکارِ رضا کا موجودہ شمارہ رجسٹریشن ہونے کی وجہ سے اس طرح شائع کیا جارہا ہے یہ شمارہ اصل میں جلد۵ اپریل تا جون ۱۹۹۹ء (۱۶) شمارہ نمبر ۲ ہے۔ قارئین اپنے ریکارڈ کیلئے نوٹ فرمالیں۔ شکریہ ☆انڈین اسلامک مشن ۸۲، زکریا مسجد اسٹریٹ، معین منزل، ممبئی۔۹ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع کردی ہیں۔ (۱) حقوقِ والدین (۲) تمہیدِ ایمان بآیات قرآن (۳) طرد الأفاعی عن حمی هاد رفع الرفاعی (عربی) (۴) تمہیدِ ایمان (انگریزی ترجمہ) ☆ رضا اکیڈمی ممبئی نے امسال عرسِ رضا کے موقع پر "یادگارِ رضا ۱۹۹۹ء" شائع کیا۔

امام احمد رضا اور علم طبعیات

از: ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی۔ جسولی، بریلی شریف

آج مغرب کو جن سائنسی علوم پر ناز ہے اور جن کی وجہ سے اس نے بے پناہ مادی ترقی کی ہے وہ علوم حقیقۃً مسلمانوں ہی کی مرہون منت ہیں لیکن مسلمان رفتہ رفتہ اپنے دین اور دینی علوم سے دور ہوتا گیا اور دنیوی اور عقلی علوم وفنون خود بخود اس کے ہاتھوں سے نکلتے چلے گئے۔ لیکن ہر صدی اور ہر عہد میں ایسے علمائے کرام ہوتے رہے ہیں جنھوں نے اسلامی اصولوں کی روشنی میں سائنسی نظریات پیش کر کے اور سائنسی علوم میں تحقیقی کارنامے انجام دیکر مغربی اسکالروں اور سائنسدانوں کو حیرت زدہ کردیا ہے۔

ایسے ہی صاحبانِ علم و حکمت و دانش میں ۱۴ ویں اسلامی صدی کے مجدد، عظیم عبقری شخصیت اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی بھی ہے جنھوں نے اپنے عہد کے تمام باطل سائنسی اور دیگر علوم عقلیہ کے باطل نظریات کو رد فرماکر قرآن وسنت کی کسوٹی پر کھرے اترنے والے نظریوں اور تھیوریوں کو پیش فرمایا اور مغربی ماہرین سائنس کا تعاقب کیا۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا...... ولادت: ۱۸۵۶ء بریلی شریف، وصال: ۱۹۲۱ء بریلی شریف نے تجدید دین کے حوالے سے متعدد سائنسی علوم پر کتب ورسائل تصنیف فرمائے۔ جن میں مندرجہ ذیل تصانیف قابل ذکر ہیں:

۱۔ فوز مبین در ردِ حرکت زمین ۲۔ الکلمۃ الملہمہ لوہاء ۳۔ معینِ مبین بہر دور شمس وسکونِ زمین ۴۔ نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین وآسمان ۵۔ حاشیہ اصولِ طبعی ۶۔ البیان الشافیا لفونو غروفیا ۷۔ الکشف الشافیا حکم فونو غروفیا (یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم میں شامل ہے)

علاوہ ان کے فتاویٰ رضویہ جلد اوّل، ملفوظاتِ رضا مسمّی الملفوظ مرتبہ مفتیٔ اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ میں بھی امام احمد رضا کے طبعیاتی نظریات ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

امام احمد رضا نے علمِ طبعیات (PHYSICS) کی چھ برانچوں میں سے میکینکس (MECHANICS)، مادّے کی عام خصوصیات (GENERAL PROPERTIES OF MATTER)، روشنی

(LIGHT)، صوت وصدا (SOUND) میں خصوصیت کے ساتھ اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔

روشنی (LIGHT) :

اس برانچ میں امام احمد رضا نے شبیہہ(IMAGES)، انعکاس(REFLECTION)، سراب(MIRAGE) اور انعطافِ نور(REFRACTION OF LIGHT)وغیرہ پر بڑی تحقیقی روشنی ڈالی ہے۔ چونکہ شبیہہ اور انعکاس کے نظریات سے متعلق سیّد ریاست علی مرحوم، مولانا اعظم سعیدی اور دوسرے صاحبانِ علم و قلم نے بحث کی ہے اور مضامین لکھے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ معارفِ رضا، کراچی کے الگ الگ شماروں نیز دوسرے رسائل میں چھپ چکے ہیں لہٰذا راقم ان دونوں تھیوریوں کو چھوڑ کر...... سراب (MIRAGE) اور انعطافِ نور (RE-FRACTION OF LIGHT) کے نظریات امام احمد رضا کی بابت کچھ عرض کرے گا۔

۱۔ سراب (MIRAGE) :

پانی کے دھوکے کو سراب کہتے ہیں۔ ریگستانی علاقوں میں مسافر جب سفر کرتا ہے تو سورج کی روشنی میں اسے دور سے دیکھنے پر زمین پر پانی نظر آتا ہے اور وہ جب پانی کی تلاش میں وہاں پہنچتا ہے تو ریت کے ذرّات اور خالی زمین کے سوا اُسے وہاں کچھ نہیں ملتا۔ اسی کو سراب کہتے ہیں۔

یہ بھی عام مشاہدہ ہے کہ انسان جب کسی سواری سے یا پیدل ہی کولتار یا سیمنٹ کی چکنی سڑک پر چلتا ہے تو سورج کی تیز روشنی میں اسے کافی فاصلے پر ایسا لگتا ہے جیسے وہاں سڑک پر پانی پڑا ہوا ہے۔

سراب کی بابت امام احمد رضا بڑی صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں :

"اب برف کے یہ باریک باریک متصل اجزا کہ شفاف ہیں، نظر کی شعاعوں نے انھیں واپس کردیا۔ پلٹتی شعاعوں کی کرنیں اُن پر چمکیں اور دھوپ کی سی حالت پیدا کی جیسے پانی یا آئینے پر آفتاب چمکے۔ اس کا عکس دیوار پر کیسا سفید براق نظر آتا ہے۔ زمینِ شور میں دھوپ کی شدت میں دور سے سراب نظر آنے کا بھی یہی باعث ہے۔ خوب چمکتا ہے، جنبش کرتا پانی دکھائی دیتا ہے اس زمین میں اجزائے صیقلہ شفافہ دور تک پھیلے ہوتے ہیں۔ نگاہیں کی شعاعیں ان پر پڑکر واپس ہوئیں اور شعاع کا قاعدہ ہے کہ واپسی میں لرزتی ہے جیسے آئینے پر آفتاب چمکے۔ دیوار پر اس کا عکس جھل جھل کرتا نظر آتا ہے اور شعاعوں کے زاویے یہاں چھوٹے تھے کہ ان کی ساقیں طویل ہیں کہ سراب دور ہی سے متخیل ہوتا ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد اوّل صفحہ ۵۴۹)

تبصرہ: عبارت کے شروع میں امام احمد رضا نے برف کے اجزاء کی جو مثال دی ہے وہ دوسرا مسئلہ سمجھانے کیلئے ہے لیکن اسی میں آپ نے شفاف اور اجزائے صیقلہ یعنی خوب چمکدار اجزا کے تعلق سے سراب کا نظریہ بھی پیش فرمایا ہے۔

زمینِ شور یعنی نمکین زمین (SALINE SOIL) اور ریتیلی و پتھریلی زمین کو بھی کہتے ہیں اور سراب اکثر ایسی ہی زمینوں پر نظر آتا ہے۔ امام احمد رضا سراب بننے کی وجہ بتاتے ہیں کہ چونکہ اس زمین میں اجزائے صیقلہ شفافہ یعنی چمکتے ذرّات دور تک پھیلے ہوتے ہیں لہذا نگاہ کی شعاعیں ان پر پڑکر لوٹتی ہیں اور لرزتی جھلملاتی لوٹتی ہیں جس طرح آئینے پر سورج چمکتا ہے۔ اسی کو انعکاس کہتے ہیں (REFLEC-TION) چونکہ عکس جھل جھل کرتا ہے اور شعاعوں کی ساقیں (لکیریں یا ٹہنیاں) ہوتی ہیں لہذا زاویے چھوٹے بنتے ہیں اور جھل جھل کرنے کی وجہ سے پانی کا دھوکا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ قاعدہ ہے کہ:

زاویائے انعکاس (ANGLE OF REFLECTED RAY) = زاویائے شعاع (ANGLE OF INCI-DENT RAY) - اور ان کے اجتماع سے نگاہیں کہ دور کے چمکدار اجزاء پر پڑی تھیں لرزتی جھلملاتی چھوٹے زاویوں پر زمین سے ملی ملی پلٹتی ہیں لہذا ان چمکدار لہراتی ہوئی کرنوں پر پانی کا دھوکا ہوتا ہے اور یہی سراب (MIRAGE) ہے

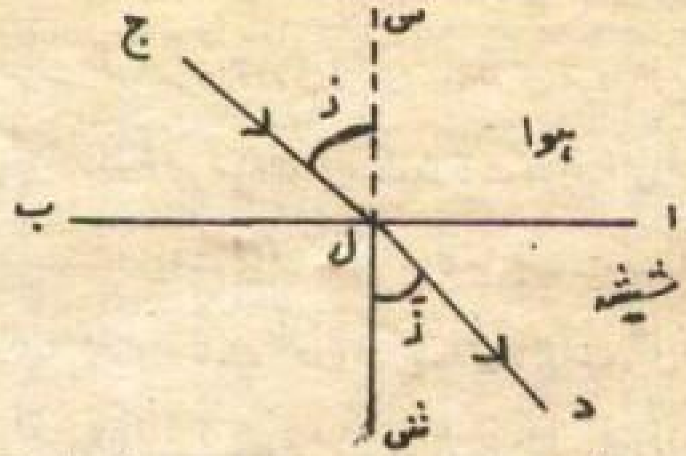
۲۔ انعطافِ نور (REFRACTION OF LIGHT):

جدید سائنس میں نظریہ انعطافِ نور اس طرح ہے:

" When light is incident on a plane surface seperating two different media, the initial direction of light is changed while it hasses through the second medium. This phenomenon of banding of light when travels from one m. dium to the other is called Refraction of Light. "

{Principle of Physics by: N. Subramanyam, Page 438}

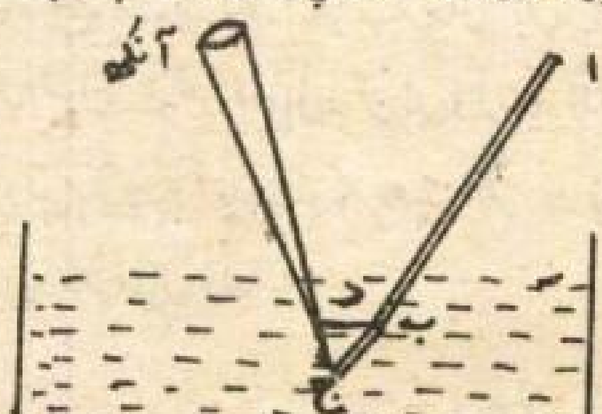
یعنی..... جب روشنی دو میڈیموں کو علیحدہ کرنے والی کسی ہموار سطح پر واقع ہوتی ہے تو اس کی ابتدائی سمت بدل جاتی ہے۔ جبکہ وہ دوسرے میڈیم میں گزرتی ہے۔ روشنی کے ایک میڈیم سے دوسرے میڈیم میں جانے (سفر کرنے) کے اس مظہر یا واقعہ کو انعطافِ نور کہتے ہیں۔



(شکل نمبر ۱)

شکل نمبر ۱ میں اب وہ ہموار سطح ہے جو ہوا اور شیشے کے دو میڈیموں کو علیحدہ کرتی ہے۔ روشنی کی ایک کرن 'ج ل' ہوا کے ایک میڈیم سے گزر کر سطح 'ل' پر ملتی ہے اور پھر 'ل' سے ہو کر دوسرے میڈیم یعنی شیشے کے میڈیم میں داخل ہوتی ہے اور 'ل د' کی سمت میں مڑ جاتی ہے۔ کرن کے اس مڑ جانے کے واقعہ یا حالت کو انعطافِ نور (Refraction of Light) کہتے ہیں۔ یہاں 'ل د' انعطافِ کرن (Refracted Ray) ہے۔

اب اس کی مزید وضاحت کے لئے دوسری مثال دیکھئے۔ یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اگر ہم کسی پانی سے بھرے ہوئے برتن میں ایک چھڑی ڈالتے ہیں تو اس کا وہ حصہ جو پانی میں ہوتا ہے ترچھا یعنی مڑا ہوا دکھائی پڑتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے شکل نمبر ۲:



اس شکل نمبر ۲ میں اب ج ایک چھڑی ہے جسے پانی سے بھرے برتن میں ڈالا گیا ہے۔ یہ چھڑی مڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ چھڑی کے آخری حصے 'ج' سے کرنیں پانی اور ہوا کی ملی جلی سطح پر مڑتی ہیں اور آنکھوں کو یہ انعطائی کرنیں 'ج' سے چلتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ چھڑی کا حصہ ب ج پانی میں ب د پر نظر آتا ہے اس لئے چھڑی ب کے مقام سے مڑی ہوئی دکھائی پڑتی ہے۔

امام احمد رضا کا عملی تجربہ

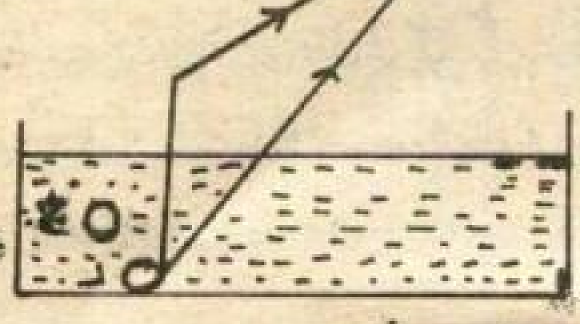
امام احمد رضا نے "انعطافِ نور" کی تھیوری کو جس طرح پریکٹیکل طور پر دکھایا اس کیلئے یہ واقعہ

سنئے : ملک العلماء علامہ ظفر الدین قادری فاضل بہار قدس سرہ العزیز امام احمد رضا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین کے ملاقات کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں :

"ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ حضور اس کا کیا سبب ہے کہ آفتاب حقیقۃً طلوع نہیں ہوا ہے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے طلوع ہو گیا۔ اس کا جواب علمی اصطلاحات میں حضور نے دیا جسے فقیر بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ہاں جو مثال بیان فرمائی وہ یہ تھی کہ کسی بند کمرے میں جھروکوں سے اگر روشنی پہنچی ہو تو باہر کے چلنے پھرنے والوں کا سایہ الٹا نظر آتا ہے یعنی سر نیچے پاؤں اوپر۔ اس کے علاوہ اور مشاہدہ کیجئے۔ حاجی کفایت اللہ صاحب سے فرمایا۔ حاجی صاحب ایک طشت میں تھوڑا سا پانی ڈال کر ایک روپیہ اس میں ڈال دو۔ انہوں نے فوراً تعمیل کی۔ اب حضور نے ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، آپ کھڑے ہو کر دیکھئے کہ برتن میں روپیہ نظر آرہا ہے یا نہیں۔ انہوں نے کچھ فاصلے سے دیکھ کر عرض کیا ہاں نظر آرہا ہے۔ فرمایا، ذرا پیچھے ہٹ آیئے۔ وہ کچھ پیچھے ہٹ آئے اور فرمایا اب دکھائی نہیں دیتا ہے۔ حضور نے حاجی صاحب کو اشارہ کیا انہوں نے تھوڑا سا پانی برتن میں ڈال دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا نظر آنے لگا۔ فرمایا دو قدم پیچھے کو آجایئے۔ پھر روپیہ نظر سے غائب تھا حاجی صاحب نے اور پانی ڈالا روپیہ پھر نمایاں تھا۔"

(حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اوّل صفحہ ۱۵۲)

اب امام احمد رضا کے اس عملی تجربہ کو سمجھنے کیلئے شکل نمبر ۳ ملاحظہ کیجئے :



شکل نمبر ۳

برتن میں پانی بھرا ہوا ہے۔ اس میں ٹ ایک روپیہ کا سکہ ہے۔ باہر سے دیکھنے والے کو وہ سکہ ج پر نظر آتا ہے یعنی اپنے مقام سے اوپر اٹھا ہوا اور یہ دراصل انعطاف (Refraction) ہی کی وجہ سے ہے۔ ر سے چلنے والی شعاعیں جب پانی اور ہوا کی سطح پر آتی ہیں تو مڑ جاتی ہیں اور اس طرح یہ شعاعیں ر

سے آتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اسی لیے نچلی سطح پر رکھا ہوا سکہ اپنے مقام سے اوپر نظر آتا ہے۔

پانی سے بھرے طشت میں ڈاکٹر صاحب کو روپیہ اسی انعطاف کے سبب نظر آنے لگا اگر برتن میں پانی نہیں ہوتا تو روپیہ کا سکہ انھیں نظر نہیں آتا۔ اب فاصلہ بڑھا تو روپیہ کا سکہ پھر نظر سے غائب ہوا۔ لہٰذا اور پانی برتن میں ڈالا گیا تو سکہ پھر نظر آنے لگا۔

امام احمد رضا کا یہ عملی تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ انعطاف نور کی تھیوری سے خوبی واقف تھے۔ امام احمد رضا نے اس تجربے سے سورج طلوع ہونے سے قبل اس کے طلوع ہوتے دکھائی دینے کا سبب سمجھایا جو کہ انعطاف نور (REFRACTION OF LIGHT) کی وجہ سے ہوتا ہے۔

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

امام احمد رضا کے ایک ممدوح

ڈاکٹر محمد امجد رضا خان، پٹنہ

قسمت نگر کہ کشتہ شمیر عشق یافت　　　مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند

امام عشق و محبت اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا عشق رسالت تمام قبیلہ ہائے فکر کے نزدیک مسلم ہے۔ یہ ان کی وہ صفت ہے جس نے ٹکڑوں میں بٹی اس ملت کو وحدت فکر اور اتحاد ذہنی عطا کی ہے۔ اپنی عملی زندگی میں وہ حد درجہ محتاط رہتے تھے، کردار و عمل میں وہاں بے ضابطگی کا تصور تک نہیں۔ انہوں نے نہ کسی کی بے جا تعریف کی ہے اور نہ کسی کے لئے ہجویہ کہا ہے ؎

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

ہاں عشق رسول اور سنت خیر الانام کے معیار پر پورے اترنے والے کیلئے انہوں نے دیدہ و دل فرش راہ کئے ہیں اور بکمال انکساری وہاں نذر گزاری ہے۔

حضرت تاج الفحول محب رسول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ بھی انہیں قدسی صفات اکابرین میں ایک زندہ و تابندہ اور درخشندہ شخصیت کے مالک ہیں جہاں فاضل بریلوی مکمل سپاس نظر آتے ہیں۔

حضرت تاج الفحول علیہ الرحمۃ الرضوان کی ذات اپنے وقت میں علم و فضل کا آفتاب، رشد و ہدایت کا سر چشمہ اور عوام و خواص کا مرجع تھی۔ وہ علامہ فضل حق خیر آبادی کے علم کے پرتو، خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی کا انتخاب، اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے ممدوح اور مولانا خیر الدین دہلوی کے نزدیک معیار سنیت کی زندہ و تابندہ علامت تھے۔

قصیدہ آمال الابرار میں امام احمد رضا فرماتے ہیں ؎

اذا حلوا تمصرت اللیالی　=　اذا راحوا فصار المصر بید

یعنی یہ علماء کرام جب کسی ویرانے میں اترتے ہیں تو ان کے دم قدم کی بہار سے ویرانہ پُر رونق شہر بن جاتا ہے اور جب رخصت ہوتے ہیں تو شہر ویرانہ بن جاتا ہے

کہتے ہیں اس شعر کو سن کر ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری نے عرض کیا کہ یہ شعر محض مبالغہ معلوم ہوتا ہے تو فاضل بریلوی نے جواب میں فرمایا:

"نہیں! بالکل واقعہ ہے حضرت مولانا عبد القادر علیہ الرحمۃ کی یہی شان تھی جب تشریف لاتے تو شہر کی حالت بدل جاتی، عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی تھی اور جب تشریف لیجاتے تو باوجودیکہ سب لوگ موجود ہوتے مگر ایک ویرانی اور اداسی چھاجاتی۔"

فاضل بریلوی نے حضرت تاج الفحول کی شان میں "چراغ انس" کے نام سے ۱۰۴ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھکر ان کی بارگاہ میں پیش کیا جس کے ہر شعر میں نیاز مندی کی ایک دنیا آباد ہے۔ اس قصیدہ کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت تاج الفحول علیہ الرحمۃ کی شخصیت اس دور میں مقتداو پیشوا کی حیثیت سے مسلم تھی اور علماء اس بارگاہ میں جبین نیاز خم کرتے تھے اس قصیدے کے چند مطلع کے اشعار دیکھیں:

اے امام الہدیٰ محبّ الرسول　　دین کے مقتدا محبّ رسول
نائب مصطفےٰ محبّ رسول　　صاحب اصطفا محبّ رسول
زبدۃ الاتقیاء محبّ رسول　　عمدۃ الاذکیا محبّ رسول
اے سلف اقتدا محبّ رسول　　اے خلف پیشوا محبّ رسول
سقم دل کی شفا محبّ رسول　　چشم دیں کی صفا محبّ رسول

حضرت تاج الفحول کی ذات سے وابستگی اس دور میں سنیت کا معیار تھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی خود بھی فرماتے ہیں:

مشعل راہ دین سنت ہے　　تیرے رخ کی ضیا محبّ رسول
آج قائم ہے دم قدم سے ترے　　دین حق کی بنا محبّ رسول
ٹھیک معیار سنیت ہے آج　　تیری حب و ولا محبّ رسول
مصطفےٰ کا ہوا خدا کا ہوا　　اب جو تیرا ہوا محبّ رسول

ایام ندوہ میں سرگرم حامیان دین کے لئے جب اعلیٰ حضرت نے خطابات تجویز فرمائے تو آپ کو تاج الفحول کا لقب دیا جو آپ کے نام کا جزبن گیا فتاویٰ رضویہ میں آپ فرماتے ہیں:

"چودھویں صدی کے علماء میں باعتبار حمایت دین و نصرت سنت نیز بلحاظ تفقہ حضرت

مولانا مولوی محمد عبد القادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا ایام ندوہ میں اور اس کے بعد جب فقیر نے سرگرم حامیان دین کے خطاب تجویز کئے اسی زمانے میں حضرت فاضل بدایونی قدس سرہ کو تاج الفحول سے تعبیر کیا جو آج تک ان کے اخلاف میں منقول و مقبول ہے اور وہ بے شک باعتبارات مذکورہ اس کے اہل تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعہ"...... (فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۳۶۶)

ندوہ کے رد و ابطال میں آپ نے جس جانفشانی و جاں سپردگی کا مظاہرہ کیا تھا وہ تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ چراغ انس میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

بزم احزاب ندوہ کا سہرا تیرے ماتھے رہا محبّ رسول
رفض و تفضیل و نجدیت کا گلا تیرے ہاتھوں کٹا محبّ رسول
سر منڈاتے ہی پڑگئے اولے تجھ سے پالا پڑا محبّ رسول
ندوی جھنجھلاتے ہیں کہ دو ہی تو ہیں اسد، احمد رضا محبّ رسول
گلہ بز کو ایک شیر بہت وہ بھی لاسیما محبّ رسول
میرے خنجر کی تاب لا نہ سکے خاک پہنچیں گے تا محبّ رسول

فاضل بریلوی کو حضرت تاج الفحول سے روحانی ربط اور قلبی لگاؤ تھا اس لئے اکثر وہ بدایوں تشریف لے جاتے اور کبھی حضرت تاج الفحول بریلی تشریف لاتے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ " ۲۵ برس تک اس فقیر کو اس جناب (تاج الفحول) سے صحبت حاصل رہی۔" اور اس صحبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۔

نہ تو مجھ سے جدا نہ میں تجھ سے میں ترا تو مرا محبّ رسول
غلطی کی ترا مرا کیا تو من و من تو یا محبّ رسول
تجھ پہ فضل رسول کا سایہ مجھ پہ سایہ ترا محبّ رسول

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو حضرت تاج الفحول نے ہی اپنے ہمراہ مارہرہ مطہرہ لے جاکر سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہروی سے بیعت کروایا تھا۔ اس نعمت کے شکریہ کا انداز ملاحظہ ہو ۔

تیری نعمت کا شکریہ کیا کیجئے تجھ سے کیا کیا ملا محبّ رسول
اور تو اور شیخ تجھ سے ملا اس سے بڑھکر ہے کیا محبّ رسول

اس کے در تک رسائی تجھ سے ملی　　تو ہوا رہنما محبّ رسول
مجھ پہ واجب ہے تیرا شکر نعم　　مجھ پہ لازم دعا محبّ رسول

اب دعا کے انداز کا تیور بھی دیکھیں۔

جگمگاتے چراغ سنت کے　　تا ابد جگمگا محبّ رسول
نہ کبھی باد حادثہ پاس آئے　　نہ کبھی جھلملا محبّ رسول
عاصی و روسیاہ دشمن تست　　رنگ و روشد گو محبّ رسول
خار در چشم و خوار در چشمان　　دشمنت دائما محبّ رسول

اخیر میں انہوں نے اپنی اس مدح کا صلہ مانگا ہے مگر کیا مانگا ہے وہ دیدنی ہے۔

میرا شافع حضور غوث میں ہو　　مدح کا دے صلا محبّ رسول
میرے سب کام ان سے ہوادے　　ظاہراً باطناً محبّ رسول
آہ صد آہ میں بئس العبد　　مدد اے حبذا محبّ رسول
بئس کو نعم سے بدلوادے　　اپنے مولیٰ سے یا محبّ رسول
خلد میں زیر ظل غوث کریم　　رہیں یکجا رضاؔ محبّ رسول

حضرت تاج الفحول علیہ الرحمۃ والرضوان کی علمی اور عملی دونوں زندگی بڑی پر شکوہ عظیم اور مایہ افتخار تھی۔ خود فاضل بریلوی نے لکھا ہے کہ: ”ان جیسی وسعت نظر اور تحقیق انیق ان کے بعد کسی میں نظر نہ آئی“ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ص ۱۳۱) اور عشق و عرفان نے تو وہ کمال عطا کیا تھا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے آپ نے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھلی آنکھوں سے دیدار کیا۔ اپنے دیوان میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود ہی فرماتے ہیں۔

سنا جب تم صفا مروہ پہ آکر جلوہ کرتے ہو　=　ہوئے ہیں مست کیا حجاج اے محبوب سبحانی

ان شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ علم و فضل اور عشق و عرفان کی کس منزل پر فائز تھے۔ مگر یہ قرب و فنائیت اور یہ عظمت فکر و عمل یوں ہاتھ نہیں آتا، اس کے لئے بھی قلب تپاں، سوز جگر، آہِ سرد اور نالۂ سحر گاہی کی ضرورت ہوتی ہے۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو　=　کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

اور یہ آہ سحر گاہی اسی عشق کا لازمہ ہے جو جان ایمان بھی ہے مدار نجات بھی اور جس کے بغیر دین

وایمان جسد بے روح کی مانند ہے۔ حسرت موہانی نے کتنی پیاری بات کہی ہے ؂

کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد میں نخوت کے سوا = شغل بیکار ہے سب ان کی محبت کے سوا

اسی عشق سے روحانی بالیدگی، ذہنی تطہیر اور فکری نشو ونما کا سامان پیدا ہوتا ہے ورنہ بقول اقبال ؂

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام = میرا قیام بھی حجاب تیرا سجود بھی حجاب

اس لئے زندگی کی شاہراہ پر اس عشق کی رہبری اور اس میٹھے درد کی چاندنی کا انعکاس ضروری ہے ورنہ انسان اندھیروں کے غول میں گم ہو کر رہ جائے گا۔

اس حیثیت سے اگر حضرت تاج الفحول علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا عشق مقام سدرۃ المنتہیٰ پہ فائز تھا اور عشق کے سارے لوازمات درد، تڑپ، اضطراب، کسک اور سوزش ان کے دل مبتلا کے مکین بنے ہوئے تھے اور ان کا وجود گویا حافظ کے اس شعر کا مصداق تھا ؂

چناں در جان من سوزش اثر کرد = کہ بے رقت ندیدم، ہیچ شے را

ان کے عشق کا سر رشتہ اس ذات ستودہ صفات سے وابستہ ہے جو محبوب رب الارباب ہے اور پورا قرآن جس کی مدح وثنا کا غیر فانی اور لازوال گلدستہ ہے۔ حضرت تاج الفحول کے نعتیہ دیوان کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے نعت کے ہر لفظ میں عشق کا اضطراب سمو دیا ہے جذبات کو الفاظ کا پیکر اور دل کی کیفیات کو زبان بخش دی ہے۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کے دل کشتہ اور جگر لالہ زار کی آواز ہے اس لئے ان کی شاعری تکلف سے آزاد اور واردات سے بھرپور نظر آتی ہے۔

حضرت تاج الفحول اصطلاحی شاعر نہیں تھے مگر ان کی شاعری انہیں ایک مکمل شاعر کی حیثیت سے ضرور متعارف کراتی ہے۔ انہوں نے عربی، فارسی، اردو تینوں زبان میں اپنے جذبات وواردات کو منظوم کیا ہے اور ہر زبان میں مطبوعہ یا غیر مطبوعہ دواوین چھوڑے ہیں۔ دواوین کے یہ سلاسل ان کے گرمیٔ جذبات کے آئینہ دار ہیں۔ اردو کلام کے جو نمونے میرے مطالعہ میں آئے اس سے ان کی شاعری فکر وخیال کی بلندی پروازی اور عشق ووفا کی چاشنی سے مملو نظر آتی ہے۔ انہوں نے عشق کے جس پہلو کو چھیڑا ہے اسے گلاب بنا دیا ہے او جس جہت کو چھوا ہے اسے مشکبار کر دیا ہے۔ وہ خود بھی اپنے نظریہ عشق کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں ؂

چھپاتے کس طرح عشق جناب مصطفائی کو — چھپانے سے نہیں چھپتی ہے بو جب مشک وعنبر کی

مگر بات چونکہ کعبۂ کعبہ اور رسول محتشم کی ہے اس لئے انہوں نے جذبات کے اظہار میں جنوں کو پابند خرد رکھا ہے اور "باخدا دیوانہ باش وبا محمد ہوشیار" کے اصول کو پیش نظر رکھ کر طہارت فکر وخیال کی تجسیم کی ہے۔

در رسول پہ حاضری کی تڑپ، ان کی دید کی حسرت، ان کی شان زیبائی ویکتائی تذکرہ ان پہ جاں سپاری کا جذبہ اور ان کی نظر کرم کی آرزو یہ سب نعتیہ شاعری کے پاکیزہ موضوعات ہیں۔ حضرت تاج الفحول نے انہیں جس تنوع، تکنیک اور حزنیہ لے میں ادا کیا ہے اس سے ان کے صحیفۂ غم کا انشراح ہو جاتا ہے اور ان کے حالات پڑھکر ان کی اضطراب کی صداقت کا عرفان بھی۔ میں ان کے نعتیہ دیوان سے ان کے کشتۂ دل اور قاشہائے جگر کو چن چن کر ان کے عشق کی پیکر تراشی کرتا ہوں آپ دیکھیں کہ ان کا عشق کس طرح الفاظ میں ڈھل کر ہمارے انفاس کو گل بداماں کرتا ہے۔ روضۂ محبوب کے شوق زیارت نے ان کے اضطراب کو کتنا تنوع بخشا ہے ملاحظہ کریں۔

موجود ہو بر روئے زمیں روضۂ محبوب — دیکھوں نہ اسے آنکھ سے واللہ غضب ہے

~ قافلے جب کہ مدینے کی طرف جاتے ہیں — اپنی محرومی پہ ہم روتے ہیں شرماتے ہیں
رات دن رکھتے ہیں ہم دل میں تمنا اپنے — ہم سے محتاجوں کو کب دیکھئے بلواتے ہیں

~ رحمت عالیاں لطف جو فرمائیں گے — ایک دن ہم بھی مدینہ کی طرف جائیں گے
قافلے والے گئے ان کو مبارک ہو سفر — ہم بھی جائیں گے جو دن اپنے بھلے آئیں گے

میں ہوں پیاسا شربت دیدار کا — مالک تسنیم و کوثر الغیاث
کیسے پہنچوں بے توسل آپ تک — میں ہوں بے پر ہندہ پرور الغیاث
دستگیری اب تری درکار ہے — ہے فقیر خستہ مضطر الغیاث

پھر جب دل پہ سنبھال مشکل ہو گیا، آرزوئیں بیتاب ہو گئیں اور دل لخت لخت نے بے چین کر دیا تو۔

پھرتے کب تک ہند میں ہم ٹھوکریں کھاتے ہوئے — چل دیئے سوئے مدینہ دل کو بہلاتے ہوئے
جاتے ہیں کس شان سے مستان عشق احمدی — وجد کے عالم میں اپنا حال دل گاتے ہوئے

اور جب منزل قریب آگئی تو جذبۂ بے اختیار نے آواز لگائی۔

نعمت حق کے خزانہ پہ غریب آپہنچے — یعنی ہم آج مدینہ کے قریب آپہنچے
راہ پہ خطرہ تھی ساماں بھی نہ تھا لیکن ہم — جذبۂ لطف سے با حال عجب آپہنچے

مگر درِ حبیب ﷺ تک پہنچنے اور اسے دیکھنے سے پہلے کس کس طرح دل، دماغ، ذہن اور چشم پر اشتیاق کو پاکیزگی کا مشورہ دیتے ہیں ۔

حاجیو! آنکھ میں لو تم درِ کعبہ سے ضیا
تاکہ ہو لائق دیدار وہ محبوب خدا
آب زمزم سے کرو پاک دہن کو پہلے
پھر چکھو چاہ کا اس صاحب کوثر کے مزا
دوڑ لو خوب صفا مروہ پہ باشوق دلی
تاکہ طے راہ مدینے کی ہو باصدق و صفا

کیونکہ جس درِ اقدس پہ جبیں سائی کے لئے دل میں اضطراب، سینے میں خلش اور آنکھوں میں اشک غم کے ساتھ اتنا کچھ اہتمام شوق فرما رہے ہیں وہ کیسی عظیم بارگاہ ہے ۔

۔ کیا ہی شاہنشہ دیں کا ہے جلالی دربار
بادشاہانِ جہاں رعب سے تھراتے ہیں
ہے یہ دربار گہر بار حبیب رحماں
فیض اس در سے سبھی جن و بشر پاتے ہیں
۔ طور کے طور یہاں نور خدا ہے ہر جا
کیا منور در و دیوار نظر آتے ہیں
دیکھ کر در کی صفا دل نے صفا پائی ہے
شب تاریک میں اسرار نظر آتے ہیں
۔ ماہ و خور حیراں ہوئے ہیں دیکھ روضے کا کلس
مشرق و مغرب میں پھرتے ہیں وہ شرماتے ہوئے
۔ اس درِ انور پہ رکھ دے کاش اپنی آنکھ کو
ہے زبان حال سے رکھتا تمنا آفتاب
کیا منور سنگ در ہے جس کے آگے ہے تجلی
کیا گہر، کیا نقرہ زر، کیا قمر، کیا آفتاب
انکے ہفت اندام پر قرباں ہیں یہ ساتوں زحل
مہ، عطارد، مشتری، مریخ، زہرہ، آفتاب

آپ جنونِ عشق کی رہبری میں وہاں پہنچ گئے جو آرزوؤں مرکز تھا، تمناؤں کی آماجگاہ تھی، دل حسرت زدہ کی سوچ کا محور تھا، جہاں چشم روزہ دار کا شربت دیدار سے افطار ہوتا ہے اور جہاں کے لئے عشاق یہ مچلتے جذبات رکھتے ہیں ۔

یہ سر ہو اور وہ خاک در، وہ خاک در ہو اور یہ سر
رضا وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

وہاں پہنچ کر آپ کے جذبات کا عالم کیا ہے اور انفاس و احساس کتنے پاکیزہ اور گل بر دوش ہو گئے ہیں

کیوں نہ پیش نظر باغ جناں آج کی رات
ہے مدینے کی فضا جلوہ کناں آج کی رات
کھل گیا غنچۂ دل مہکا مشام جاں ہے
ہیں یہ آثار مدینہ کے عیاں آج کی رات
جاپڑی خاک مدینہ مری آنکھوں میں
ہے نظر آنے لگا راز نہاں آج کی رات

مرحبا اے دل خوش بخت مدینہ آیا　　شکر کر حق کا کہ پہنچا ہے کہاں آج کی رات
مجھ کو اللہ عطا کر دے کمال ایماں　　لطف سے کھودے مرا نقص وزیاں آج کی رات

مگر بے خودی کے اس عالم میں بھی یہ احساس ہے کہ یہ حرم کی زمیں ہے اور یہاں قدموں سے چلنا بے ادبی ہے بلکہ اس بارگاہ کے کتوں سے اپنی نسبت کرنا بھی بے ادبی ہے ؎

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم = زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

یہ وہ بارگاہ ہے جہاں جنید و بایزید حواس گم کردہ آتے ہیں۔ یہاں نہ بلبل بے پر کو کھل کر نوا سنجی کی اجازت ہے اور نہ صبا کو تیز روش کی جرأت۔ اس بارگاہ میں نگاہوں سے کوچہ سرکار کے ذروں کو بوسہ تو دے سکتے ہیں مگر جذبات پہ سنبھال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس لئے آپ اپنے دل بے ہوش کو کس کس طرح سمجھاتے ہیں ؎

سن اے دل بے ہوش یہ دربار ہے کس کا　　مت طول سخن کر تجھے لازم ہے ادب اب
قرآں میں تاکید ہے دیکھ ان کے ادب کی　　خاموش، خبردار، نہ کر شور و شغب اب

مگر اس خموشی سے پہلے اتنا ضرور کہتے ہیں ؎

آیا درِ محبوب ہوا صبح یہی پورا = حجاج کے دل پر ہوں نہ کیوں فرح و طرب اب

دیر سے حرم تک حضرت تاج الفحول کو ہم نے جلتے، سلگتے، تڑپتے، مہکتے، مچلتے، سنبھلتے دیکھا ہر انداز میں ان کی شخصیت عشق کے خمیر کا استعارہ معلوم ہوتی ہے۔ ان کی ہر ادا انتہائی جاذب و دلنشیں اور مقناطیسی ہے جس پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ بلاشبہ ان کا عشق، عشق خدا نما ہے اور ان کی ذات "ہر گز غیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق" کی تصویر۔ وہ امام العاشقین ہیں اس پر ان کا نعتیہ کلام شاہد ہے۔ خداوندِ قدوس ان کے عشق کے صدقے ہمیں بھی دولت عشق رسالت علیہ السلام سے سرفراز فرمائے۔ آمین

ہر چند کہ ان کے جذبات کے یہ جگر پارے شعری آہنگ میں ڈھل کر ہم تک پہنچے ہیں مگر شاعری ان کا مقصود نہیں، محض وسیلۂ اظہار ہے اس لئے ہم ان کو شاعر کہہ کر ان کے عشق کی توہین نہیں کر سکتے۔ میر نے کہا تھا

ہم کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب ہم نے = درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

حضرت تاج الفحول کے دواوین بھی درد و غم اور سوز و اضطراب کے منظر نامے ہیں جس میں انہوں نے جذبات کی صداقت کو الم نشرح کیا ہے اور اپنی کیفیت دل کو موسیقیت و غنائیت عطا کی ہے۔

شیخ الاسلام مفتیٔ اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ

از: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی

عالم و فاضل، فقیہ و مقتدائے عارفاں

شیخ دوراں، مظہر اللہ، مفتی ہندوستاں (ضیاء بدایونی)

مفتیٔ اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ، حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ (م ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء) کے نامور پوتے اور حضرت مولانا محمد سعید صاحب علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند تھے۔ مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ رجب المرجب ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۸۸۶ء کو دہلی میں ہوئی۔ ابھی آپ چار سال کے تھے کہ شفقت پدری سے محروم ہو گئے۔ ایک دو سال بعد والدۂ ماجدہ کا مبارک سایہ بھی اٹھ گیا۔ زندگی کی ابتدائی منزل ہی میں یتیم و یسیر ہو گئے۔ والدین کے انتقال کے بعد جد امجد حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ نے کفالت فرمائی لیکن دو سال بعد آپ کا بھی وصال ہو گیا، جد امجد کے انتقال کے بعد، مفتیٔ اعظم کے عم محترم حضرت علامہ محمد عبد المجید علیہ الرحمہ (م ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۴ء) نے اپنی کفالت میں لیا۔۔۔ کچھ سنتیں اختیاری ہوتی ہیں اور کچھ سنتیں اختیاری نہیں۔ یتیمی و یسیری اور اس کے بعد کفالت کی جن منزلوں سے مفتیٔ اعظم گزرے اس کو دیکھ کر حیات نبوی ﷺ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

کافی ہے بس اک نسبت سلطان مدینہ

آپ کی دودھیال تو علم و فضل کا گہوارہ تھی ہی، ننھیال بھی دینی و دنیوی وجاہت کے اعتبار سے ممتاز تھی، حضرت کے نانا حافظ عبد العزیز علیہ الرحمہ ریاست جھجر کے ممتاز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب ریاست کا شیرازہ بکھر گیا تو آپ ریاست پاٹودی (بھارت) تشریف لے آئے۔ اور یہاں نوابین ریاست کے اتالیق رہے، بعد میں میر منشی کے ممتاز عہدے پر فائز ہوئے۔ یہ تمام حالات حضرت کے برادر عم زاد عبد الرشید صاحب مرحوم (مجسٹریٹ درجہ اول، ریاست پاٹودی) نے اپنے قلمی دیوان کے مقدمہ میں لکھے ہیں۔

تعلیم و تعلم مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ نے قرآن حکیم سے تعلیم کا آغاز فرمایا اور تھوڑے ہی عرصہ میں

قرآن مجید حفظ فرمالیا اور فن تجوید و قرأت میں کمال حاصل کیا، علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل اپنے عم محترم حضرت علامہ محمد عبد المجید علیہ الرحمہ سے فرمائی جن کا سلسلۂ حدیث متعدد واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے۔ مولانائے مرحوم کے علاوہ آپنے معاصرین علماء سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ اور پھر ذاتی مطالعے سے وہ کمال حاصل کیا کہ باید وشاید۔ سولہ سترہ سال کی عمر سے فتویٰ نویسی کا آغاز فرمایا۔ مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ مختلف علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مثلاً تفسیر و اصول تفسیر، فقہ و اصول فقہ، منطق، فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، ادب، صرف و نحو، علم الفرائض اور خطاطی وغیرہ۔ سخن سنجی کا خاص ملکہ حاصل تھا اور سخن گوئی سے فطری لگاؤ تھا لیکن ساری عمر دین کی خدمت میں گزاری۔

بیعت و ارشاد ۱۴ چودہ سال کی عمر میں حضرت مولانا شاہ رکن الدین الوری علیہ الرحمہ (م ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء) مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کو دہلی سے حضرت صادق علی شاہ علیہ الرحمہ (م ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) کی خدمت میں مکان شریف (ضلع گورداسپور۔ بھارت) لے گئے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ، حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کے شیخ طریقت، حضرت امام علی شاہ علیہ الرحمہ (م ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء) کے فرزند اکبر تھے۔۔۔ اس وقت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کی عمر شریف تقریباً چودہ سال کی تھی، حضرت صادق علی شاہ نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں آپ کو بیعت فرمایا اور ایک ہی توجہ سے بے خود کردیا، چونکہ بیعت کے دوسرے ہی سال مرشد کریم کا وصال ہو گیا تھا اس لئے بعد میں حضرت شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ نے روحانی تربیت فرمائی اور ہر چہار سلاسل میں اجازت مرحمت فرما کر خلافت سے نوازا۔۔۔ مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ بالعموم سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت فرماتے تھے مگر بعض طالبین اپنی اپنی فطری مناسبات کے مطابق دیگر سلاسل میں بھی بیعت ہوتے رہے۔ مفتیٔ اعظم علیہ الرحم صاحب کرامت ولی کامل تھے۔ آپ سے بکثرت کرامات کا ظہور ہوا۔ آپ کی دینی و علمی اور روحانی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

امامت و خطابت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ مسجد شاہجہانی فتحپوری دہلی کے شاہی امام اور خطیب تھے۔ خطابت و امامت کا یہ سلسلہ حضرت کے جد امجد شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے منتقل ہوتا ہو آپ تک پہنچا تھا، مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ تقریباً ستر سال اس منصب پر فائز رہے اور ایک عالم کو فیض پہنچایا۔ مسجد فتحپوری کی امامت و خطابت کا یہ سلسلہ شاہانِ مغلیہ کے عہد سے چلا آرہا ہے۔ جس کی

تفصیلات مفتیٔ اعظم کے جد امجد علیہ الرحمہ نے ضمناً اپنی قلمی تصنیف فتاویٰ مسعودیہ میں تحریر فرمائی ہیں (اس وقت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کے پوتے علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد صاحب مسجد فتحپوری کے امام وخطیب اور مفتی دہلی ہیں)

اتباع شریعت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ نے ساری عمر اتباع سنت نبوی ﷺ کا قدم قدم پر خیال رکھا، آپ کی زندگی پر عشق مصطفوی چھایا ہوا تھا، کوئی گوشہ تشنۂ محبت نہ تھا۔ عبادات کیا، معاملات کیا، اخلاقیات کیا، غرض زندگی آئینہ دار محبت تھی۔

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور انجمن عشق
کبھی سرمایہ محراب و منبر
کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

عبادات کا یہ حال تھا کہ چودہ سال کی عمر سے آخری لمحہ تک تقریباً ستر سال نماز تہجد ادا فرماتے رہے۔ فرائض کی ادائیگی کا اسی سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، ضعیفی کے باوجود رمضان المبارک کے روزے کبھی ترک نہیں فرمائے بلکہ عجیب تر یہ کہ ان ایام میں جسم اطہر میں خاص توانائی مشاہدے میں آتی۔ نماز تراویح باجماعت ادا فرماتے اور عبادات میں عام ایام سے زیادہ مستعد نظر آتے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ سے یہی محبت و عشق تھا کہ جب ۱۹۴۵ء میں زیارت حرمین شریفین اور حج کے لئے حاضر ہوئے تو اس دیار مقدس میں محویت واستغراق کا یہ عالم تھا کہ اولاد تک کے نام صفحہ دل سے مٹ گئے۔

دو عالم سے کرتی حق بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

عزیمت پسندی حضرت نے ہمیشہ عزیمت پر عمل فرمایا، عزیمت پسندی وبلند ہمتی مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کی امتیازی خوبیاں تھیں، بہت سے واقعات مشاہدے میں آئے، یہاں چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

ا۔ نواب حیدر آباد میر عثمان علی خاں مرحوم (۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۷ء) نے دوبار حضرت کو یاد فرمایا، لیکن دونوں مرتبہ حضرت نے فرمایا: "ان کو ملاقات کی ضرورت ہے تو فقیر کے غریب خانے پر آجائیں

فقیر کو ضرورت نہیں۔" ان واقعات کا ذکر علامہ اخلاق حسن دہلوی نے ماہنامہ عقیدت (نئی دہلی) اور جناب ارتضیٰ حسین (ملا واحدی) نے ماہنامہ ہمدرد (کراچی) میں کیا ہے۔

۲۔ جب ۱۹۴۵ء میں حج بیت اللہ شریف کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے تو مکہ معظمہ میں شاہی دعوت میں شرکت کیلئے شاہ سعود کی طرف سے خاص دعوت نامہ آیا مگر حضرت نے یہ کہہ کر معذرت فرمادی کہ۔"جو شہنشاہ کائنات کے دربار میں آیا ہے اس کو کسی اور دربار میں حاضری کی ضرورت نہیں۔"

۳۔ برطانوی حکومت کے زمانے میں اکثر سرکاری دعوت نامے آتے رہے مگر مفتیٔ اعظم نے کبھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ تقسیم ہند کے بعد بھی اعیان مملکت کی طرف سے دعوت نامے آتے رہے مگر حضرت نے ساری عمر بے نیازانہ بسر کی۔

غیرت ہے بڑی چیز جہان تگ ودو میں
پہناتی ہے درویش کو تاج سر دارا

۴۔ عزیمت کی ایک شاندار مثال اس وقت دیکھنے میں آئی جب حضرت کے ہونہار، لائق اور حسین و جمیل جواں سال فرزند مولانا منور احمد علیہ الرحمہ کا ۱۹۴۴ء میں وصال ہوا۔۔۔ جس نے یہ داغ اٹھایا ہے وہی اس کی شدت کو محسوس کر سکتا ہے۔۔۔ جب مولانا منور احمد کو کفنا کر لٹایا گیا تو حضرت سرہانے کھڑے مسکرا رہے تھے۔ اور یہ الفاظ زبان مبارک پر تھے "اے مولا تو اپنے بندے کو آزمانا چاہتا ہے، تیرا بندہ ہرگز ہرگز مضطرب نہ ہوگا، وہ تیری رضا پر راضی ہے۔"

حریف نالہ پُر درد ہو تو ہو پھر بھی
ہے اک تبسم پنہاں ترا بہائے چمن

اسی طرح دوسرے جواں سال صاحب زادے حضرت مولانا منظور احمد علیہ الرحمہ (م ۱۹۴۹ء) کی حیدرآباد میں وفات کے موقع پر ایمان افروز واقعات مشاہدے میں آئے۔

۵۔ ۱۹۴۷ء میں فسادات کے دوران حضرت نے جس عزم واستقلال کا اظہار فرمایا وہ تاریخ عزیمت میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔۔۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک مسجد فتحپوری میں غیر مسلم دشمنوں نے تقریباً چھ سات بم پھینکے لیکن کسی مرحلے پر بھی حضرت کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ سب سے کٹھن ستمبر ۱۹۴۷ء کا وہ دن تھا جب چاروں طرف سے مسجد دشمن کے نرغے میں تھی، مسجد کے محصور لوگوں کے لئے فوج کی معیت میں محفوظ مقام پر منتقل ہونے کے اچانک اسباب پیدا ہو گئے،

مگر جب مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ سے چلنے کے لئے عرض کیا گیا تو فرمایا۔ "آپ حضرات کو اجازت ہے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، فقیر کو یہیں رہنے دیں، کل قیامت کے دن اگر مولیٰ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا تو اس کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا، تو فقیر کیا جواب دے گا" سب کے حوصلے بلند ہوئے اور سب جان دینے کے لئے تیار ہو گئے۔۔۔ عین اضطراب میں بھی پائے استقلال میں تزلزل پیدا نہ ہوا اور مفتیٔ اعظم محبت و عشق کی اس معراج پر سرفراز ہوئے جہاں پہنچ کر انسان بے خوف خطر ہو جاتا ہے۔

حیات کیا ہے، خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

۶۔ تبلیغ اسلام میں مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ نے جس عزم و ہمت کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تقسیم ہند سے قبل ہزارہا غیر مسلموں کو مشرف باسلام کیا مگر تقسیم کے بعد جب ہندوؤں کے اقتدار کی وجہ سے کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی آپ نے بے خوف و خطر ہو کر غیر مسلموں کو مسلمان کیا۔

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لاالٰہ الا اللہ

مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ نے بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی ذاتی مفاد کی خاطر تعلق نہ رکھا، اسی لئے آپ کا سب احترام کرتے۔ مسجد جامع فتحپوری دہلی، اہل سنت کا عظیم مرکز تھا، بکثرت علماء و مشائخ اہل سنت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کی تکریم فرماتے اور تشریف لاتے تھے۔ تقسیم ہند سے قبل قیام دہلی کے زمانے میں قائد اعظم محمد علی جناح، شہید ملت لیاقت علی خاں آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور ڈاکٹر ذاکر حسین (صدر جمہوریہ ہند) آپ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

پاکستان میں آمد تقسیم ہند کے بعد حضرت کافی عرصہ تک پاکستان تشریف نہ لائے، یہاں بھی عزیمت پسندی مانع رہی۔ مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ پہلی بار اکتوبر ۱۹۶۱ء میں پاکستان تشر[illegible] لائے۔ کراچی کے ہوائی مستقر پر ہزارہا مریدین و متوسلین نے پرجوش استقبال کیا، کراچی کے زمانہ قیام میں حضرت کی قیام گاہ پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا، ہزارہا افراد مستفیض ہوئے۔ اہل محبت نے دعوتیں اور عصرانے دے کر اپنی اپنی محبت کا ثبوت دیا۔ حضرت علامہ عبدالحامد بدایونی (صدر مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام)

نے کراچی کے علماء کرام کی طرف سے مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کو مدعو فرمایا اور علماء کی عظیم محفل میں سپاسنامہ پیش کیا جس میں حضرت کی دینی اور علمی خدمات کو سراہا گیا تھا۔ مختلف حضرات نے منقبتیں پیش کیں، منقبت پیش کرنے والوں میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں۔ مولانا ضیاء القادری بدایونی، عزیز الملک مولانا محمد یوسف جے پوری، مولانا عبدالسلام باندوی اور قاضی محمد حمایت اللہ۔ مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ حیدرآباد اور لاہور بھی تشریف لے گئے، دونوں مقامات پر شاندار استقبال کیا گیا، علماء و مشائخ موجود تھے لاہور میں بھی منقبتیں پیش کی گئیں، منقبت پیش کرنے والوں میں یہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت زیبا ناروی، حکیم محمد عمر قریشی اور جناب مولانا محمد احمد قریشی۔۔۔۔ دو ماہ قیام کے بعد مفتیٔ اعظم نومبر ۱۹۶۱ء کے آخر میں دہلی تشریف لے گئے۔

جولائی ۱۹۶۴ء میں دوبارہ اور آخری بار پاکستان تشریف لائے۔ اس مرتبہ بھی ہر جگہ شایان شان استقبال کیا گیا۔ حضرت کئی مقامات پر تشریف لے گئے۔ مثلاً کراچی، حیدرآباد، میر پور خاص، بہاول پور، ملتان، خانیوال، ساہیوال، لاہور، شرقپور، راولپنڈی، مری وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام مقامات پر حضرت کے بکثرت مریدین و متوسلین موجود ہیں۔

وصال وصال سے چند سال قبل مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ پر عشق الٰہی کا ایسا غلبہ تھا کہ مخلوق تو مخلوق اولاد کی محبت بھی دل سے نکل چکی تھی۔ مولیٰ تعالیٰ کی طرف لگن لگی ہوئی تھی، بالآخر وصال کی گھڑی آپہنچی اور ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ بروز پیر (۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء) شام کے وقت یہ آفتاب علم و عرفان غروب ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور مفتیٔ اعظم کی یہ آرزو پوری ہوئی ؎

درد فرقت میں ترے اس زندگی کی شام ہو
موت جب آئے تو صبح وصل کا پیغام ہو

مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کا مرقد انور مسجد جامع فتحپوری، دہلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے اور یہ صلہ ہے اس عزیمت پسندی اور بے مثال استقلال و ثابت قدمی کا جس کا اظہار مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ مسلسل ۷۰ سال تک فرماتے رہے بالخصوص ۱۹۴۷ء کے خونچکاں فسادات کے زمانے میں فی الحقیقت ؎

خدا نے زندگی کے امتحان میں فتح پوری دی

مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کے وصال کی اطلاع اسی روز آل انڈیا ریڈیو سے نشر کی گئی اور آن کی آن میں

پاک و ہند میں پھیل گئی۔ مختلف اخبارات ور سائل نے اس خبر کو جلی حروف میں شائع کیا، اداریے لکھے، محامد و محاسن بیان کئے اور بعض نے تاریخی قطعات بھی شائع کئے، چناں چہ پندرہ روزہ پیام مشرق (دہلی) کے ۱۴ دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں قمرؔ سنبھلی کے سنہ ہجری و عیسوی میں یہ دو قطعات ملتے ہیں:

قطعہ

اٹھ گیا کون بزم دنیا سے
یوں جو ہر شخص غم بدوش ہے آج
دم سے روشن تھی جس کے راہ سلوک
اے قمرؔ "شمع وہ خموش ہے آج"
۱۳۸۶ھ

قطعہ

مظہر علم و فقیہ عصر
آہ دنیا سے ہو گیا روپوش
لکھ قمرؔ عیسوی میں سال وصال
"ہائے شمع تصوف اب ہے خموش"
۱۹۶۶ء

حضرت کے سانحہ ارتحال پر اظہر دہلوی (لاہور) نے ایک طویل مرثیہ بھی لکھا تھا، اخبار انجام (کراچی) کے یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں حافظ غازی آبادی کا یہ قطعہ ملتا ہے۔

مظہر اللہ ہو گئے رخصت
مفتی ہند، نقشبند زماں
یادگار زمانہ تھے یہ لوگ
عصر حاضر میں اب جواب کہاں

اسی طرح پندرہ روزہ غریب نواز (دہلی) کے ۱۵ دسمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں قیصر نظامی کا یہ شعر ملتا ہے۔

آہ قیصر بجھ گیا کیسا چراغ انجمن
گلشن علم و عمل کا پاسباں جاتا رہا

بکثرت اخبارات و رسائل میں مفتی اعظم علیہ الرحمہ پر لکھا گیا ہے۔ جس کی تفصیل حیات مظہری اور تذکرہ مظہر مسعود میں کراچی سے شائع ہو گئی ہے۔

اولاد امجاد اولاد کے معاملے میں حضرت مرحوم پر اللہ تعالے کا خاص فضل و کرم ہوا، حضرت کی اولاد، اولاد کی اولاد اور پھر ان کی اولاد کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے۔ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ٥(سورہ ابراھیم : ۲۴) مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی آل و اولاد پاک و ہند کے مختلف شہروں اور بیرونی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے۔ مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ۱۹۰۳ء کے قریب پہلی شادی کی۔ چند سال بعد اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو تقریباً ۱۹۰۹ء میں دوسری شادی کی۔ دو تین سال بعد دوسری اہلیہ بھی رحلت فرما گئیں۔ تو تقریباً ۱۹۱۶ء میں تیسری شادی کی۔ تیسری اہلیہ کا انتقال ۱۹۴۷ء / ۱۳۶۷ھ میں دہلی میں ہوا۔ ان تینوں ازواج سے سات صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ جن میں ایک صاحب زادے اور چار صاحبزادیاں بفضلہ تعالے بقید حیات ہیں۔ صاحبزادگان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) مفسر قرآن حضرت علامہ مفتی محمد مظفر احمد علیہ الرحمہ، کراچی (۲) حضرت مولانا الحاج مفتی محمد مشرف احمد علیہ الرحمہ دہلی (۳) حضرت مولانا الحاج حافظ قاری ڈاکٹر محمد احمد علیہ الرحمہ، دہلی (۴) حضرت مولانا منور احمد علیہ الرحمہ، دہلی (۵) حضرت مولانا منظور احمد علیہ الرحمہ، حیدر آباد سندھ (۶) راقم الحروف محمد مسعود احمد، کراچی (۷) مولانا ڈاکٹر محمد سعید احمد علیہ الرحمہ، دہلی۔

خلفاء و سفراء حضرت کے ارادت مندوں اور عقیدتمندوں کا دائرہ بہت وسیع ہے، پاک و ہند میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت کے خلفاء و سفراء میں جن حضرات کے اسماء گرامی معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں :

خلفاء : (۱) حضرت علامہ مفتی حافظ قاری محمد مظفر احمد صاحب کراچی (۲) حضرت علامہ حافظ و قاری مفتی محمد مشرف احمد صاحب دہلی (۳) حضرت الحاج قاری حافظ محمد حفیظ الرحمٰن صاحب۔ بہاول پور (۴) حضرت مولانا ڈاکٹر محمد احمد علیہ الرحمہ (۵) مولانا عبدالکریم چتوڑی (۶) مفتی مقبول

الرحمٰن سیوہاروی (۷) جناب محمد عثمان ٹونکی وغیرہ وغیرہ

سفراء: (۱) جناب حکیم محمد ذاکر صاحب، کراچی (۲) جناب بشیر الدین صاحب، کراچی (۳) جناب محمد یوسف صاحب، کراچی (۴) جناب حافظ محمد صالحین صاحب، کراچی (۵) جناب صوفی فضل احمد صاحب، کراچی (۶) جناب صفدر حسن صاحب، لاہور (۷) جناب محمد احمد صاحب قریشی، لاہور (۸) جناب ابوالکمال شمسی طہرانی، علی گڑھ (۹) جناب صوفی محمد ابراہیم، کراچی (۱۰) جناب سید نواب علی، حیدرآباد سندھ (۱۱) جناب حکیم محمد عاقل دھام پوری (۱۲) جناب مولانا غلام احمد ٹونکی وغیرہ وغیرہ

تصانیف مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کی تصانیف میں سر فہرست وہ فتوے ہیں جو تقریباً ستر سال تک آپ تحریر فرماتے رہے۔ یہ فتوے پاک وہند کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پہلی جلد فتاویٰ مظہریہ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ دوسری جلد پروفیسر ڈاکٹر محمد رفیق صاحب مرتب کر رہے ہیں۔ آپ کے فتوؤں کی علمی اور دینی اہمیت ہر مکتب فکر کے علماء میں مسلم ہے۔ حضرت کی دوسری عظیم تصنیف وہ مکاتیب گرامی ہیں جو بے شمار مخلصین ومریدین کے پاس پاک وہند میں محفوظ ہیں پہلی جلد مکاتیب مظہری کے نام سے شائع ہو چکی، دوسری جلد زیر طباعت ہے۔ ان کے علاوہ حضرت کی تصانیف میں بعض علمی رسائل بھی ہیں جو اب ناپید ہو چکے ہیں۔ چند رسائل کے نام تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) ارکان دین، مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی۔ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء (۲) مظہر العقائد، مطبوعہ ہلالی پریس دہلی (۳) مظہر الاخلاق مطبوعہ ہلالہ پریس، دہلی (۴) کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب، مطبوعہ جید پریس، دہلی۔ تالیف ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء (۵) تحقیق الحق، مطبوعہ اعلی پریس دہلی، ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء (۶) رسالہ در علم توقیت (قلمی) تالیف ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء (۷) خزینۃ الخیرات، مطبوعہ اعلی پریس دہلی، ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء (۸) انقاء المحال فی رؤیۃ الہلال، مطبوعہ جید برقی پریس دہلی، تالیف ۱۳۷۰ھ / ۱۹۸۰ء (۹) فتویٰ رویت ہلال، مطبوعہ جید برقی پریس دہلی، ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء (۱۰) قصد السبیل، مطبوعہ اعلی پریس دہلی ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء (۱۱) شجرہ منظوم خاندان عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مطبوعہ امپیریل پریس دہلی۔ وغیرہ وغیرہ

گورداسپور کا ایک نوجوان

مولانا محمد جلال الدین قادری (پاکستان)

دیال گڑھ ضلع گورداسپور کا ایک ہونہار اور سعادت مند نوجوان میٹرک پاس کرنے کے بعد مزید علم حاصل کرنے کیلئے داتا کی نگری لاہور آتا ہے اور ایف۔ اے میں داخلہ لے لیتا ہے۔ وہ قدرت کے سانچے میں ڈھلا ہوا شرافت کا دل نواز پیکر تھا۔ اس کی گفتگو اور چال ڈھال میں قیامت کا بانکپن تھا۔ اسے گود میں کھلانے والے اور اس کے سکول کے ساتھی ہی نہیں، بلکہ اس کے اساتذہ بھی اس کی نیک نفسی، پاکیزہ نگاہی اور ملکوتی کردار کے گواہ تھے۔ سب ہی اسے محبت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ سب کی آنکھوں کا تارا تھا۔ اس نے پٹوار کا امتحان بھی دیا تھا۔ اس کی بے مثال ذہانت اور محنت کو دیکھتے ہوئے اس کے رشتہ دار یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ ہمارا یہ عزیز نوجوان پٹواری بنے گا، تحصیل دار بنے گا اور ترقی کرتے کرتے بہت بڑا افسر بنے گا، لیکن انسان کے سوچنے سے کیا ہوتا ہے؟ وہی ہوتا ہے جو سب سے بڑی قوت وطاقت والے کو منظور ہوتا ہے۔ اچانک اس نوجوان کو کسی کی نظر لگ گئی اور نہ جانے وہ کیسی نظر تھی کہ رشتہ داروں کے سب منصوبے فیل ہو گئے اور تمام پروگرام دھرے رہ گئے۔

جامع مسجد وزیر خاں، لاہور، قیام پاکستان سے پہلے متحدہ پاک وہند کا عظیم ترین اسٹیج تھی، جہاں پورے ملک کے جلیل القدر علماء اور مشائخ رونق افروز ہوتے۔ ان کی زیارت سے ایمان تازہ ہو جاتا اور ان کے ارشادات عالیہ سن کر دلوں کی ویران بستیاں آباد ہو جاتیں۔ ان دنوں بھی جامع مسجد وزیر خاں میں عظیم الشان اجلاس ہو رہا تھا۔ سامعین جوق در جوق حاضر ہو رہے تھے۔ اتنے میں اسٹیج سے اعلان کیا گیا کہ آج فلاں وقت، فلاں گاڑی سے ملک کے عظیم المرتبت عالمِ شریعت اور شیخِ طریقت، جگر گوشۂ امام احمد رضا، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی تشرف لا رہے ہیں، جو حضرات ان کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیں، وہ مقررہ وقت پر ریلوے اسٹیشن پہنچ جائیں۔

مشتاقانِ دید کا ایک ہجوم ریلوے اسٹیشن پر جمع ہو گیا۔ اسی ہجوم میں وہ خوش بخت نوجوان طالب علم بھی تھا۔ جب گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچی اور حضرت حجۃ الاسلام اپنے ڈبے سے باہر تشریف لائے تو تکبیر ورسالت کے پر جوش نعروں سے ان کا استقبال کیا گیا اور ہر شخص بے تابی سے ایک نظر زیارت

کرنے اور مصافحہ کے لئے آگے بڑھنے لگا۔ اسی دھکم پیل میں وہ طالب علم بھی آگے بڑھا اور مصافحہ کرنے کے بعد سر اٹھا کر جو دیکھا، تو ان کا نورانی چہرہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ چہرہ کیا تھا حسن کی کھلی ہوئی کتاب تھی، جس پر جمالِ تقویٰ اور جلالِ علم کا نور برس رہا تھا۔ جسے دیکھ کر کئی غیر مسلم اسلام لے آئے تھے۔ ایک نظر انھوں نے بھی اس طالب علم کو دیکھا، یہی وہ لمحہ تھا جب اس طالب علم کو نظر لگ گئی۔ اس کی روح کی گہرائی تک ایک برقی رَو دوڑ گئی اور دل ایک انجانی اضطرابی کیفیت سے دوچار ہو گیا۔

جلسہ بڑی شان و شوکت سے ہوا اور جلسہ کے بعد حضرت حجۃ الاسلام، حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ قدس کے قریب اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ وہ طالب علم جلسے کے دوران بڑی محویت کے ساتھ ٹکٹکی باندھے انہیں ہی دیکھتا رہا اور جلسے کے بعد کشاں کشاں ان کی قیام گاہ پر پہنچ گیا۔ حضرت حجۃ الاسلام نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی کشتۂ تیر نظر ہے۔ بڑی محبت و شفقت کے ساتھ اپنے پاس بلایا اور خیرت دریافت کرنے کے بعد پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو اور کیا کرتے ہو؟ طالب علم نے جواب دیا، تو انھوں نے اس کے چہرے کی اضطرابی تحریر پڑھتے ہوئے پوچھا کہ آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ نوجوان نے کہا جی ہاں! فرمایا کہو بغیر کسی تکلف کے کہو۔ کہنے لگے مجھے اپنے ساتھ لے چلیں، مجھے ایف۔ اے کرنے اور پٹواری کا امتحان پاس کرنے کا کوئی شوق نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی پیاسی نگاہیں آپ کے دیدار سے سیراب کرتا رہوں، آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کروں اور وہ نورانی علم حاصل کروں جس کے آپ نمائندے ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام نے بڑی خوشی سے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ اور وہ اپنی جگہ اس شاہین کے زیرِ دام آنے پر بے حد مسرور تھے۔

مرکزِ علم و عرفان بریلی شریف جا کر اس طالب علم نے پوری تندہی اور یکسوئی کے ساتھ علومِ دینیہ حاصل کرنے شروع کیے۔ مظہر اسلام بریلی میں حضرت حجۃ الاسلام مفتیٔ اعظم ہند مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں بریلوی اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہارِ شریعت ایسے نادرِ روزگار اربابِ علم و نظر کے فیوض سے خوشہ چینی کی۔ آٹھ سال تک جامعہ معینیہ، اجمیر شریف میں صدر الشریعہ کے دریائے علم سے فیض یاب ہونے کے بعد سند فراغت حاصل کی۔

آپ جانتے ہیں کہ وہ نوجوان طالب علم کون تھا جی ہاں! اسے کون نہیں جانتا؟ اسے اپنے اور بیگانے سب ہی جانتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسی بلندیوں پر پہنچا کہ بڑے بڑے آفیسر اس کے قدموں میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتے تھے۔ بڑے بڑے علماء اس کی دست بوسی کو اپنا شرف تصور

کرتے۔ بقول شیخ القرآن علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی قدس سرہ وہ جس کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے (دستار بندی کر دیتے) تھے وہ راسخ العقیدہ سنی عالم دین بن جاتا تھا۔ انہوں نے تمام زندگی علوم دینیہ کا درس دیا۔ دلوں کی دنیا میں حبِ مصطفےٰ ﷺ کی جوت جگائی۔ علماء اور محدثین کی اتنی بڑی جماعت تیار کی کہ اکابر علماء نے انہیں محدث اعظم پاکستان تسلیم کیا۔ یہ تھے......

"محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد چشتی قادری قدس سرہ"

وہ آسمانِ سنیت کے چاند تھے، جن کی ضیاء پاشیوں نے پاک و ہند کے خطے کو بقعۂ نور بنا دیا۔ وہ شیخ التفسیر والحدیث تھے۔ وہ جامع معقولات و منقولات تھے۔ وہ رہبر شریعت اور مرشد طریقت تھے۔ وہ پیکر رشد و ہدایت تھے۔ وہ سحر بیان خطیب تھے۔ کئی کئی گھنٹے خطاب فرماتے، اس دوران زور بیان اور دلائل کے تسلسل میں فرق آتا اور نہ ہی سامعین کی محویت ختم ہوتی۔ وہ کوہ استقامت تھے۔ جو کہتے تھے وہی کر دکھاتے تھے، اور جو کرتے تھے اس پر قائم رہنا جانتے تھے۔ وہ عقیدۂ ختم نبوت کے پر جوش مبلغ اور پاسبان تھے۔

مولانا غلام محی الدین قادری، فیصل آباد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حکومت نے چاند کا اعلان کر دیا۔ حضرت کا موقف یہ تھا کہ چونکہ شرعی گواہی موجود نہیں اس لیے چاند نہیں ہوا۔ رات کے وقت ضلع کے حکام گفت و شنید کے لیے آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: کیا حکومت یہ سمجھتی ہے کہ سردار احمد موم کی ناک ہے جسے جدھر چاہا موڑ لیا؟ اور اپنا فیصلہ واپس لینے سے صاف انکار کر دیا۔

وہ اقبال کے مرد مومن کی سچی تصویر تھے اور اقبال کے اس شعر کا صحیح مصداق تھے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

حضور سید عالم، نور مجسم ﷺ کی محبت تو جان ایمان ہے اور ذکر مصطفےٰ ﷺ مومن کی روح کی غذا ہے، لیکن ان پر حدیث پڑھاتے وقت عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ نبی اکرم ﷺ کی جس کیفیت کا بیان ہوتا ویسی کیفیت ان پر طاری ہوتی۔ مسرت و شادمانی کا ذکر ہوتا تو آپ بھی مسرور دکھائی دیتے۔ کسی صدمے یا تکلیف کا ذکر ہوتا تو آپ کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار واضح دکھائی دیتے۔ فرائض اور واجبات تو اپنی جگہ رہے سنن اور مستحبات پر بھی بالالتزام عمل کرتے۔

اساتذہ کرام کا ذکر محبت و عقیدت میں ڈوب کر کرتے۔ دوستوں اور معاصرین سے ملتے، تو

مسرت وشادمانی کا پیکر نظر آتے۔ سادات کرام کا خصوصی احترام کرتے، تبرک تقسیم کیا جاتا، تو انہیں دو حصے دیئے جاتے۔ شاگردوں اور مریدوں کی اس قدر عزت افزائی فرماتے کہ حاضر ہونے والا باغ باغ ہو جاتا اور یہ محسوس کرتا کہ حضرت سب سے زیادہ مجھ پر مہربان ہیں۔

ایک دفعہ سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر مدظلہ کوٹلی لوہاراں نے تقریر میں حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت پر خوش ہو کر فرمایا: سَلْ مَاشِئْتَ جو چاہو مانگو، جلسے کے بعد حضرت محدث اعظم نے تخلیے میں انہیں فرمایا: مولانا! حدیث شریف کا مطلب اگرچہ یہی ہے جو آپ نے بیان کیا ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے مطلقاً فرمایا ہے کہ مانگو، یہ نہیں فرمایا کہ فلاں چیز مانگو۔ اس اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے تمام نعمتیں آپ کے دست اقدس میں ہیں، جسے چاہیں اور جو چاہیں عطا فرمائیں۔ لیکن حدیث شریف میں مَاشِئْتَ کے الفاظ نہیں ہیں۔ اگر کوئی مخالف مطالبہ کر بیٹھے کہ حدیث کے یہ الفاظ دکھاؤ تو پریشانی ہوگی۔ اس لیے احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ حضرت سلطان الواعظین اس قوت استحضار اور فہمائش کے اس حکیمانہ انداز سے بہت متاثر ہوئے۔

ایک نعت خواں نے جناب محمد اعظم چشتی مدظلہ کی نعت شریف پڑھتے ہوئے (پنجابی زبان کا) یہ شعر پڑھا۔

تُساں ساتوں مکھ دکھاوناں نئیں، اساں دید بناں ایتھوں جاوناں نئیں
اساں مُڑ مُڑ درتے آوناں نئیں، ساڈا جوگیاں والا پھیرا اے

حضرت محدث اعظم نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: سرکار بلائیں تو ہم بار بار حاضر ہوں گے ہمیں کیا عذر ہو سکتا ہے؟ پڑھنا ہے تو دوسرا مصرع اس طرح پڑھو

اسیں مُڑ مُڑ جگ تے آوناں نئیں، ساڈا جوگیاں والا پھیرا اے

غور کیجئے! کہ شعر و سخن کا بڑے سے بڑا استاد اس سے بہتر کیا اصلاح کر سکتا تھا؟ ایک لفظ کی تبدیلی سے شعر کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا۔

دوسری طرف بدعقیدہ افراد کے لیے ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں تھا۔ حضرت سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر کوٹلی لوہاراں نے بجا فرمایا تھا۔

حضرتِ فاروق اعظم کی تو ایک شمشیر ہے

بدیہی بات ہے کہ صلح کلیت اور ہر کسی کو سینے سے لگا کر شمع ہر محفل بننا بڑا آسان ہے۔ اگر وہ رویہ اختیار کرتے، تو ہر فرقہ اور ہر طبقہ انہیں سر آنکھوں پر جگہ دیتا، لیکن انہوں نے دعائے قنوت کے ان کلمات طیبات پر عمل کر کے دکھایا: وَنَخْلَعُ وَ نَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ بار الہا! جو تیرا نہیں، وہ ہمارا نہیں ہے۔ وہ اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ پر عمل پیرا تھے اور زندگی بھر عمل پیرا رہے۔

وادی نجد کے متشددین عامۃ المسلمین کو اس لیے مشرک اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں کہ وہ سید عالم ﷺ کو بارگاہ الٰہی میں مقبول ترین وسیلہ مانتے ہیں۔ حضرت محدث اعظم، حرمین طیبین کی حاضری کے لیے گئے، تو نجدی اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ جب ہم ان کے نزدیک مشرک ہیں تو ہماری نماز کیسی؟ اور ان کے پیچھے اقتداء کا کیا مطلب؟ پیچھے نماز پڑھنا تو بڑی بات ہے وہ ایسے لوگوں سے مصافحہ تک کے روادار نہ تھے۔ ایک شیعہ افسر آپ سے ملاقات کے لیے آیا تو آپ نے یہ کہتے ہوئے ہاتھ کھینچ لیے کہ میرے دل میں حضرات خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت کی شمع روشن ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس شمع کی لو ماند نہ پڑ جائے۔ اسی طرح ایک (بد عقیدہ) مشہور خطیب قاضی احسان احمد شجاع آبادی سے ایک سفرِ حج کے دوران آمنا سامنا ہو گیا وہ مصافحہ کرنے کے لیے آگے بڑھے تو آپ نے فرمایا: تحذیر الناس، براہین قاطعہ، اور حفظ الایمان کی ایمان سوز عبارات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں مناظرہ کرنے نہیں آیا، صرف ملاقات کرنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: جب تک ان عبارات کا تصفیہ نہیں ہو جاتا فقیر آپ سے ملاقات نہیں کر سکتا۔

مولانا محمد علی جوہر نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا تھا:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی بلند نگاہی اور عالی ظرفی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے مقصد اور مشن کو کبھی نظر انداز نہیں فرماتے تھے۔ اپنوں کے جور و جفا کو ہمت مردانہ سے برداشت کر جاتے اور اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیتے تھے۔ مولانا محمد عبد الغفار ظفر صابری فیصل آباد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ القرآن علامہ محمد عبد الغفور ہزاروی نے فرمایا کہ فلاں صاحب نے آپ کے خلاف ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ہلکی زبان استعمال کی گئی ہے، اس کا جواب دینا چاہیے۔ حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا:

"مولانا! میں اپنوں سے الجھ کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا، جو قوت ان کے خلاف صرف کرنا ہے، وہ بد مذہبوں کے رد میں کیوں نہ صرف کروں؟"

یہ ارشاد بجا طور پر آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے اور علماء اہل سنت کو چاہیے کہ اسے اپنے دل پر نقش کر لیں اور باہمی مناقشات میں الجھ کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں۔ علامہ اقبال نے ایسے ہی لائق قیادت حضرات کے بارے میں کہا تھا۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر، میر کارواں کیلئے

لٹریچر کی اہمیت کا احساس:

لٹریچر کسی بھی قوم کی ترقی اور بقا کا ضامن ہوتا ہے، لٹریچر ہی ذہنی انقلاب لاتا ہے اور لٹریچر ہی صالح اور جاں فروش افراد تیار کرتا ہے۔ ہمیں تقریر اور خطابت کی اثر آفرینی سے انکار نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آج کتنے لوگ علماء کے خطابات سنتے ہیں؟ ان سے کیا حاصل کرتے ہیں؟ اور کیا یاد رکھتے ہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو کتاب کے اثرات نہ صرف دیرپا ہوتے ہیں، بلکہ دور تک پہنچتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث کو اس حقیقت کا گہرا احساس اور شعور تھا۔ اس دور میں اہل سنت کا لٹریچر بہت کم دستیاب ہوتا تھا۔ حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ سید ابوالبرکات سید احمد قادری کچھ رسائل شائع فرمایا کرتے تھے یا پھر حضرت پیر سید محمد معصوم شاہ قادری، نوری کتب خانہ داتا دربار لاہور سے امام احمد رضا بریلوی کے رسائل شائع فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث ان سے خصوصی تعاون فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے جامعہ رضویہ میں سنی رضوی کتب خانہ قائم کیا اور ہر ماہ جب حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار پر انوار پر حاضری دیتے تو کچھ نہ کچھ کتابیں ضرور لے جاتے بلکہ بعض اوقات تو کئی کئی بوریاں کتابوں سے بھر کر لے جاتے اور باوجودیکہ کتب خانہ عموماً خسارے میں رہتا پھر بھی آپ نے اسے تاحیات جاری رکھا۔

پیر محمد حسن شاہ نوری مالک نوری کتب خانہ لاہور کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں مکان بنانے میں مصروف تھا کہ حضرت شیخ الحدیث تشریف لے آئے اور مجھے ایک طرف بلا کر فرمانے لگے: مکان بنانے پر بڑا خرچ ہوتا ہے اس لیے میں نے سوچا کہ اس وجہ سے کہیں اشاعت دین کا کام متاثر نہ ہو، میرے پاس پانچ سو روپے رکھے ہوئے تھے، یہ لے لیجئے اور اشاعتِ کتب کا سلسلہ جاری رکھیے۔ شاہ

صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں۔ آپ کی دعائیں ہی ہمارے لیے کافی ہیں۔

اللہ اللہ! ایسی ہستیاں اب کہاں ملیں گی؟ جنہیں احساس تھا کہ دین کی اشاعت کا کام کرنے والے بڑی مشکلات سے گزر کر یہ کام جاری رکھتے ہیں۔ آج اگر ہر اور اِن اہلِ سنت و جماعت اس احساس سے آشنا ہو جائیں تو یہ حالت بر قرار نہ رہے کہ

کتنے مرثیہ خواں ہیں کہ قاری نہ رہے

عاشق کا جنازہ

یکم شعبان المعظم / ۲۹ دسمبر جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب (۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء) اپنے دور کا عظیم محدث، ملت اسلامیہ کا محسن، حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کا سچا محب، سنیت کا قافلہ سالار، لاکھوں افراد کو اشکبار چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ کراچی سے آپ کا جسد مقدس بذریعہ ٹرین لائل پور (فیصل آباد) لایا گیا ملک بھر کے علماء و مشائخ اور عوام اہل سنت کے تا حد نظر پھیلے ہوئے مجمع نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ بہت سے مخالفین بھی حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے جنازہ میں شریک ہوئے اور سنی رضوی جامع مسجد کے پہلو میں آپ کی آخری آرام گاہ بنائی گئی۔

اس موقع پر ہزار ہا افراد نے ایک حیرت انگیز منظر کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ اور جس نے بھی دیکھا عش عش کر اٹھا۔ ریلوے اسٹیشن سے جامعہ رضویہ تک آپ کے جنازہ پر ایک نورانی پھوار پڑ رہی تھی جوں جوں جنازہ آگے بڑھتا انوار کی بارش بھی آگے بڑھتی چلی جاتی۔ یہ آپ کے مسلک کی صداقت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ رب العزت کی طرف سے یہ انعام تھا ان کے تقویٰ و تقدس کا، خدمت دین کا، پرچم سنیت کے بلند کرنے کا، حب مصطفےٰ ﷺ کے دلوں میں بسانے کا اور عظمت مصطفےٰ ﷺ کے پھریرے لہرانے کا

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

علامہ کاظمی کی اعلیٰ حضرت سے عقیدت

از قلم: سید صابر حسین شاہ بخاری قادری، برہان شریف۔ اٹک، پاکستان

نائب شیخ محقق، مظہر احمد رضا

جانشین بو حنیفہ، پرتوانِ حمام (مجوّر رضوی)

غزالیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی چشتی علیہ الرحمۃ (م ۱۹۸۶ء) کی تابناک شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ بے مثل مفسر قرآن، لاثانی محدث، عظیم فقیہ اور عاشق رسول ﷺ تھے آپ کا نسبی تعلق خانوادہ سادات سے ہے۔ آپ نے اپنے اجداد کی ترجمانی کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، آپ کی ساری زندگی فرق ہائے باطلہ کے خلاف قلمی جہاد میں گذری۔ آپ کی بے شمار تصانیف منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ کے مشاہیر تلامذہ نہ صرف کثیر تعداد میں بلکہ علم فضل میں بھی نادر روزگار ہیں۔ آپ کا دربار گوہر بار مدینۃ الاولیاء ملتان میں مرجع خلائق ہے۔

قبلہ علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے عاشق زار تھے، جب بھی کسی نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی شخصیت کو داغدار کرنے کی ناپاک جسارت کی تو آپ کا راہوار قلم فوراً تعاقب میں سرپٹ دوڑ تا بالآخر معترض کو راہ فرار اختیار کرنی پڑتی۔

دیوبندیوں نے جب امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ پر الزام لگایا کہ آپ نے مولوی قاسم نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس کے مختلف مقامات سے تین نامکمل فقروں کو لے کر ایک فقرہ بنالیا جس سے کفری مضمون پیدا ہو گیا۔

حضرت علامہ سیدی احمد کاظمی علیہ الرحمۃ نے کتاب ''التبشیر برد التحذیر'' لکھ کر یہ ثابت کیا کہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ پہ یہ الزام قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے یہ کتاب آج تک لاجواب ہے۔ (۱)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ایک مخالف نے جب ''التبشیر برد التحذیر'' پر اعتراضات کئے تو آپ نے ''التبشیر پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' کے نام سے اس کی خبر لی۔ مخالف کو بالآخر راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ (۲)

ایک مرتبہ ماہنامہ تجلی دیوبند شمارہ فروری مارچ ۱۹۵۹ء اور ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور

شمارہ ۸ جنوری ۱۹۶۰ء میں مخالفین اہل سنت نے حضور نبی کریم ﷺ کے جسم اقدس کا سایہ ثابت کرنے کے لئے زوردار مضامین شائع کیے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "نفی الفیء عمن بنورہ انار کل شیء" پر بھی پھبتیاں کسی گئیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ ماہنامہ السعید ملتان کا شمارہ اپریل مئی ۱۹۶۰ء کا "ظل نمبر" شائع کیا اور مخالفین کے دلائل کی دھجیاں بکھیر دیں۔

عامر عثمانی ایڈیٹر ماہنامہ تجلی دیوبند نے حسب عادت اس "ظل نمبر" پر اعتراض کئے تو علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ نے تقریباً سات قسطوں میں "السعید" ہی میں اس کا تعاقب فرمایا تھا۔ (۳)

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے "شمول الاسلام" (مطبوعہ رضا اکیڈمی لاہور) کے صفحہ ۷ پر آیت وتقلبك فی الساجدین کے تحت لکھا کہ امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں الخ مولانا غلام رسول سعیدی نے علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ سے سوال کیا کہ حضرت! اس آیت کے تحت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے امام رازی علیہ الرحمۃ کا جو حوالہ دیا ہے وہ تفسیر کبیر میں تو نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا:

> امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی تصنیف "اسرار التنزیل" کے حوالے سے یہ تفسیر نقل کی ہے اور اس کتاب کا نام "التعظیم والمنة فی ان ابوی رسول الله فی الجنة" طبع حیدر آباد دکن ص ۵۰ اس سے جہاں غزالی زماں نے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ سے اعتراض رفع کیا وہاں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ اور علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ کی وسعت علمی کا بھی پتہ چلتا ہے"۔ (۴)

مخالفین نے جب اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کی شہرۂ آفاق کتاب "الامن والعلی" میں دی گئی ایک طویل حدیث کے ایک جملہ کا ترجمہ نقل کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی تو آپ نے "الاھداء" کے ذریعے انہیں راہ ہدایت دکھائی اور فرمایا:

> "الحمد للہ! اہل علم نے دیکھ لیا کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت مجدد ملت قدس سرہٗ العزیز علم و فضل کا وہ بحر ذخار ہیں جسکے ساحل تک بھی منکرین کی رسائی نہیں۔ ذالک فضل اللہ۔" (۵)

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے مخالفین نے حسب روایت آپ کے ترجمۂ کنزالایمان میں "النبی" کے ترجمہ "غیب کی خبریں دینے والا" پر اعتراضات کئے تو غزالی دوراں علیہ الرحمۃ نے "النبی" کا صحیح

معنی و مفہوم" لکھ کر معاندین کے تمام اعتراضات کے مدلل اور مسکت جوابات دیئے جو دیدنی ہیں۔(۶)

غرضیکہ آپ کی تمام تصنیفات، مقالات اور ملفوظات سے محبت رضا اظہر من الشمس ہے حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ کو مرکزی مجلس رضا لاہور سے جو محبت تھی وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ آپ مجلس رضا کے زیر اہتمام منعقدہ یوم رضا پر کئی سال لگاتار تشریف لاتے رہے۔آپ کی تقریر سننے کے لئے کثیر مجمع ہوتا تھا۔

۹ جنوری ۱۹۸۰ء کو مجلس رضا کے زیر اہتمام منعقدہ یوم رضا کے موقع پر آپ نے جو تقریر فرمائی وہ چھپ چکی ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"اعلیٰ حضرت کی مقدس شخصیت کوئی غیر معروف نہیں دنیائے علم کے آپ آفتاب اور ماہتاب ہیں آپ کے مخالفین نے بھی آپ کے علمی اور آپ کے تحقیقی مقام کو تسلیم کیا عام طور پر یہ کہا گیا کہ کفر کا فتویٰ لگانے میں جلد بازی سے کام لیتے تھے لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی ایسی بات پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جس پر کہ ان کے مخالفین اور معترضین کفر کا فتویٰ نہ دے چکے ہوں۔ کوئی شخص قیامت تک ایسی کوئی بات ثابت نہیں کر سکتا کہ ایسی بات پر اعلیٰ حضرت نے کفر کا فتویٰ لگایا ہو جا مخالفین کے نزدیک بھی کفر نہ ہو"(۷)

اسی طرح آپ کی ایک دوسری تقریر "چودھویں صدی کا مجدد کون؟" بھی بزم عاشقان مصطفیٰ لاہور نے کتابی صورت میں چھاپ دی ہے۔ اس کے آغاز میں آپ فرماتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت کے کارناموں کا ہم احاطہ نہیں کر سکتے، ان کا علم، ان کی قابلیت، ان کا تقویٰ، ان کی ذہانت، کسی ایک پر بھی گفتگو کی جائے تو ختم نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت دنیا کے تمام علوم پر حاوی تھے علوم عقلیہ ہوں یا نقلیہ، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام علوم آپ کی بارگاہ میں دست بستہ کھڑے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے علوم کی کوئی انتہا نہیں، آپ کی کتابوں کو پڑھا جائے اور بالخصوص فتاویٰ رضویہ کو ہمارے مدارس میں پڑھا دیا جائے تو ایسے ایسے عالم نکلیں گے کہ ان کا کوئی جواب نہیں ہوگا کیونکہ خود فتاویٰ رضویہ کئی علوم کا خزینہ ہے۔"(۸)

دار العلوم امجدیہ کراچی میں بروز چہار شنبہ بعد نماز عشاء ۲۳ صفر المظفر ۱۳۸۸ھ / ۲۲ مئی ۱۹۶۹ء عرس اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ منعقد ہوا۔ عرس کے موقع پر ایک نعتیہ مشاعرہ کا اہتمام بھی کیا گیا۔ صدر مشاعرہ حضرت علامہ کاظمی صاحب علیہ الرحمۃ تھے نعتیہ مشاعرہ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی نعت کا مصرع طرح یہ تھا۔

ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

رات ڈیڑھ بجے صدر مشاعرہ علامہ کاظمی نے اپنی مشہور نعت سنائی جس کا مطلع یہ ہے۔

کیا شان، شہنشاہِ کونین نے پائی ہے
ختم آپ کی ہستی پر ہر ایک بڑائی ہے (۹)

علوم اسلامیہ کے انوار اکناف واطراف میں بکھیرنے کے لئے حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ نے ملتان شریف کے وسط میں زمین خرید کر ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء میں "مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم" کا قیام عمل میں لایا۔ مدرسین کے لئے آپ نے جو اعلان شائع کروایا اس سے بھی اعلیٰ حضرت سے آپ کی محبت واضح ہے۔ اعلان کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

"دو مستند مدرس عالموں کی ضرورت ہے جو اول سے آخر تک تمام کتب درسیہ بخوبی پڑھا سکیں اور حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عقیدہ ہوں۔ تنخواہ ہر مدرس کو سو روپیہ ماہوار دی جائے گی کھانے اور رہائش کا بھی معقول انتظام کیا جائے گا۔

سید احمد سعید کاظمی امروہوی مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم
متصل چوکی جھلیک کچہری روڈ ملتان" (۱۰)

مفتی غلام سرور قادری ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ راقم مولانا نور احمد فریدی علیہ الرحمۃ کے عرس کے موقع پر حضرت کے ساتھ جتوئی شہر گیا، رات کو حضرت تقریر کر کے اپنی نشست گاہ پر تشریف لائے اور اپنی چارپائی پر لیٹے تو راقم آپ کے پاؤں دبانے بیٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ کوئی بات کریں، راقم نے عرض کی کہ مدرسہ انوار العلوم میں ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ تو علم ظاہری کے ایک عالم تھے بس یہ سنتے ہی حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے، پھر فرمایا کہ:

"مولانا! جس نے یہ بات کی ہے وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے مقام سے بے خبر ہے۔" پھر فرمایا کہ

"مولانا! اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے مجدد برحق ہونے کے ساتھ ساتھ بے مثل عالم، بے مثل فقیہ، بے مثل محقق تھے پھر فرمایا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اپنے زمانے کے غوث اور قطب عالم تھے۔ ان کی مثال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے پہلے دور دور تک بھی نظر نہیں آتی، در حقیقت میرے سمیت اس دور کے تمام سنی علماء اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ہی کے چشمہ علم و عرفان سے مستفید و مستفیض ہوتے ہونے والے ہیں۔"

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بعد ان کے دو صاحبزادوں حجۃ الاسلام امام حامد رضا خان علیہ الرحمۃ، مفتی اعظم ہند امام مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ جیسی ہستیاں بھی اپنی جگہ بے مثل ہیں اور ان کے پائے کی علمی و حقانی اور ربانی شخصیتیں نظر نہیں آتیں۔" (۱۱)

حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ نے اپنے برادر معظم حضرت علامہ سید محمد خلیل کاظمی علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف پایا اور خلافت حاصل کی۔ آپ کو شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم علامہ مصطفےٰ رضا خاں نوری بریلوی علیہ الرحمۃ سے بھی سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں اجازت و خلافت کا شرف حاصل ہے۔ اس اجازت و خلافت پر آپ کو فخر و ناز حاصل ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں:

"حضور مفتیٔ اعظم ہند تو مفتی اعظم عالم ہیں۔ اس زمانے میں ان جیسا فقیہ و متقی میں نے دوسرا نہیں دیکھا، قرآن پاک میں خدائے قدیر جل مجدہٗ خود ارشاد فرماتا ہے، "ان اولیاء الا المتقون" انہیں دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے، یہ خود ان کی ولایت کی دلیل ہے بفضلہ تعالیٰ فقیر کاظمی کو سرکار مفتیٔ اعظم ہند قبلہ سے خلافت و اجازت کا شرف حاصل ہے" (۱۲)

یہی نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے خاندان کے ہر فرد کا آپ کے دل میں بہت احترام تھا۔ پروفیسر سید محمد جمیل الرحمٰن اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"گذشتہ سالوں میں جب جماعت اہل سنت (جس کے آپ مرکزی صدر رہتے) کے چند افراد نے آپ سے اختلاف کیا جس پر آپ نے بھی ان سے ناراضگی کا اظہار فرمایا، اتفاقاً حضرت اختر رضا خاں بریلوی مدظلہ پاکستان تشریف لائے تو لاہور کے علماء نے ان کو صلح کے لئے ثالث مقرر کیا، چنانچہ انھوں نے کہا کہ میں حضرت کاظمی صاحب کے پاس جاؤں گا تاکہ اختلاف ختم ہو سکیں۔ ادھر جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت اختر

رضا خاں مدظلہ ثالثی کے لئے تشریف لارہے ہیں تو آپ فرمانے لگے کہ اگر مجھے حضرت نے کہا تو میں تو اپنے مخالفین کے پاؤں پڑ جاؤں گا۔ آخر وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی اولاد جو ہیں۔ آپ کے یہ الفاظ تمام اہلسنت کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں" (۱۳)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے کسی بھی فتویٰ پر کسی قسم کی تنقید علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ برداشت نہیں کرتے تھے۔ مفتی غلام سرور قادری لکھتے ہیں :

"ایک مرتبہ ملتان میں حضرت قبلہ کاظمی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور اس دوران داڑھی کی حد شرع یک مشت سے واجب ہونے سے متعلق اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے فتوے کا ذکر آیا کہ جو شخص داڑھی یک مشت سے کم کراتا ہے وہ فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس فتوے پر فقیر نے انوار العلوم کے بعض اساتذہ کی تنقید کا ذکر کیا، سیّدی وسندی قبلہ کاظمی علیہ الرحمۃ اوس وقت لیٹے ہوئے تھے، یہ سنتے ہی اٹھ بیٹھے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس فتوے پر تنقید کرنے والے صاحب پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ

"اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فتوے پر تنقید ہم سے برداشت نہ ہوگی، یہ مدرسہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے نظریات حقہ کا علم بردار ہے۔ ہم کیا ہیں؟ اعلیٰ حضرت ہیں، سب کچھ انہیں کا صدقہ ہے ہم انہیں کے ریزہ خوار ہیں، ہم انہیں کے نام لیوا ہیں۔ جو شخص اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے نظریات و تحقیقات شریفہ سے متفق نہیں ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمارے مدرسہ میں ایسے شخص کی کوئی گنجائش نہیں۔"

مزید فرمایا: ہم سب اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ہی کی عظمت فکر کے مداح خواں ہیں اور جو علماء اہل سنت میدان تحقیقات میں جولانیاں دکھاتے یا فضائے تدقیق میں پرواز کرتے ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ہی کے فیوضات ہیں جس سے کوئی سنی عالم بے نیاز نہیں رہ سکتا" (۱۴)

حضرت کاظمی علیہ الرحمۃ نے اپنے مرشد اور برادر معظم حضرت علامہ سید محمد خلیل کاظمی محدث امروہوی علیہ الرحمۃ (م ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء) کے عرس مبارک منعقدہ ۶ شوال المکرم ۱۴۰۵ھ کے موقع پر اپنی آخری تقریر میں واشگاف الفاظ میں فرمایا :

"بنیادی نصیحت یہ ہے کہ اپنے مذہب پر قائم رہو تو میں آپ کو بتادوں کہ امام اہل سنت، مجدد دین

وملت الشاہ احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا مسلک میرا مسلک ہے اور میرے ساتھ تمام وابستہ ہونے والے اسی مسلک پر قائم رہیں۔ جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے مسلک سے ایک قدم باہر رکھے گا وہ میرا مرید نہیں ہاں وہ میرا مرید نہیں۔" (۱۵)

حواشی و حوالے

(۱) احمد سعید کاظمی علامہ سید: التبشیر برد التحذیر، مطبوعہ لاہور، المجمع الاسلامی مبارکپور، ہند

نوٹ: یہ مقالہ مقالات کاظمی حصہ دوم مطبوعہ لاہور میں بھی شامل ہے۔

(۲) احمد سعید کاظمی علامہ سید: مقالات کاظمی حصہ سوم مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء ص ۴۸۰ تا ۵۳۸

(۳) مکتوب گرامی برادرم خلیل احمد رانا بنام راقم الحروف محررہ ۷ دسمبر ۱۹۹۸ء

(۴) مکتوب گرامی برادرم خلیل احمد رانا بنام راقم الحروف محررہ ۹ دسمبر ۱۹۹۸ء

(۵) احمد سعید کاظمی علامہ سید: الاھداء مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء ص ۸

(۶) احمد سعید کاظمی علامہ سید: النبی کا صحیح معنی و مفہوم مطبوعہ لاہور

نوٹ: یہ مقالہ مقالات کاظمی حصہ سوم مطبوعہ لاہور میں بھی شامل ہے۔

(۷) محمد عالم مختار حق: خطبات یوم رضا مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۱

(۸) احمد سعید کاظمی علامہ سید: چودھویں صدی کا مجدد کون؟ مطبوعہ لاہور ۱۴۱۳ھ ص ۷

نوٹ: یہ تقریر خطبات کاظمی حصہ دوم مطبوعہ ملتان (مرتبہ غلام فرید سعیدی شکرانی) میں بھی شامل ہے

(۹) دیکھئے: انتخاب نعتیہ مشاعرہ ۱۳۸۸ھ مطبوعہ دار العلوم امجدیہ عالمگیر روڈ کراچی ص ۳۷ تا ۴۰

(۱۰) ہفت روزہ الفقیہ امرتسر شمارہ ۷ تا ۱۴ جون ۱۹۴۵ء ص ۶، ک ۲

(۱۱) داؤد احمد خان: سیرت کاظمی مطبوعہ ملتان ۱۹۸۸ء ص ۱۱۵

(۱۲) محمد شہاب الدین رضوی، مولانا: مفتی اعظم اور ان کے خلفاء ج ۱ مطبوعہ بمبئی ۱۹۹۰ء ص ۱۳۵

(۱۳) ماہنامہ عرفات لاہور شمارہ مئی جون ۱۹۹۰ء ص ۲۶

(۱۴) غلام سرور قادری، مفتی: الشاہ احمد رضا بریلوی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۶۲ تا ۶۴

(۱۵) مجلہ "تعلیمات" ملتان ۱۹۹۰ء ص ۴۴

رودادِ پاکستان ۔ قسط ۳

محمد زبیر قادری

حضرت مسعودِ ملت کے صاحبزادے کی شادی میں تمام شرکاء کو ایک دینی کتاب کی تقسیم میرے لئے ایک نئی چیز تھی کیونکہ میں نے آج تک کسی شادی میں اس طرح کا معاملہ نہیں دیکھا تھا لیکن یہ کام اپنی جگہ نہایت اہمیت کا حامل ہے اور سب سے بڑھکر تبلیغ دین کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ جہاں لوگ شادی بیاہ میں غیر ضروری رسموں پر بے انتہا روپے خرچ کردیتے ہیں وہیں اگر چند ہزار روپے اس کارِ خیر میں لگادیں تو دارین کی نعمتوں سے مالامال ہوسکتے ہیں۔

شادی سے واپس لوٹا تو گھر پہنچتے پہنچتے بارہ بج گئے تھے۔ موسیٰ کالونی میں جہاں میری رہائش تھی وہاں گھر کے قریب ہی محفل میلاد کی تقریب جاری تھی۔ اس علاقہ کے دعوت اسلامی کے مبلغین نے ماہِ ربیع النور کی نسبت سے اس تقریب کا انعقاد کیا تھا۔ ایک چھوٹے سے اسٹیج پر چند مبلغین بیٹھے تھے اور یکے بعد دیگرے نعتِ رسول مقبول ﷺ سنا رہے تھے۔ ان کے درمیان ایک چھ سات سالہ بچہ بھی تھا جو اپنی خوش الحان آواز میں سرورِ کائنات ﷺ کی شان میں نعتیہ اشعار پڑھ رہا تھا اور مجمع اس کی آواز پر جھوم جھوم رہا تھا۔ یہ پروگرام تقریباً ایک بجے ختم ہوا۔ نیاز تقسیم کی گئی اور ساتھ میں ایک پمفلٹ بھی جو کفریہ فلمی گانوں کی مذمت اور اس سے بچنے کی ہدایت سے متعلق تھا اور کسی عالم دین نے اسے تحریر کیا تھا۔

پیر ۲۰، جولائی ۱۹۹۸ء تمام کاموں سے فراغت کے بعد میمن مسجد گیا جہاں مجھے کچھ ضروری کام سے مولانا ابا قاسم صاحب سے ملنا تھا۔ موصوف میمن مسجد سے متصل مدرسہ میں درس دیتے ہیں اور یہاں سے فارغ ہونے کے بعد دارالعلوم امجدیہ (واقع عالمگیر روڈ، کراچی) میں درس کیلئے چلے جاتے ہیں۔ وہاں تاخیر سے پہنچنے کی وجہ سے میری ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔

وہاں سے دوبارہ بس میں بیٹھ کر میں مکتبۃ المدینہ شہید مسجد کھارادر کی طرف روانہ ہوا۔ مجھے دعوت اسلامی ممبئی کے اراکین کی جانب سے چند خطوط دیئے گئے تھے جو کہ مولانا الیاس قادری تک پہنچانے تھے۔ میں نے وہ خطوط مکتبہ کے نگران جناب امتیاز بھائی کے سپرد کردیئے جو حضرت صاحب تک ذمہ داری سے پہنچا سکتے تھے۔ مکتبۃ المدینہ شہید مسجد، کھارادر، کراچی دعوت

اسلامی کے عالمی امیر مولانا محمد الیاس عطار قادری سے رابطہ کا پتہ ہے۔ دنیا بھر میں جو بھی ان سے استفادہ کرنا چاہے تو اس پتہ پر کر سکتا ہے۔ مکتبہ جیسا کہ بین الاقوامی سطح پر مشہور ہو گیا ہے کوئی اس قدر بڑا تو نہیں جیسا کہ شہرت کی بناء پر لوگ سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ مکتبہ تحریک دعوت اسلامی کا ذاتی ہے اور اس کے تحت تبلیغ مسلک اہلسنت کیلئے کتابیں، کتابچے اور کیسٹیں نہایت ہی رعایتی داموں میں فروخت کی جاتی ہیں۔ مکتبة المدینه کی شائع کردہ کتابوں کے علاوہ مختلف علماء اہلسنت کی دیگر مکتبوں کی شائع کردہ کتابیں بھی یہاں پر دستیاب ہیں۔ مکتبہ سے بالکل متصل شہید مسجد کی عمارت ہے جو وسعت کے اعتبار سے نہایت مختصر ہے۔ چند سال قبل اسی مسجد میں مولانا الیاس قادری سے ملاقات کا اہتمام کیا جاتا تھا جو ہفتہ کے چند مخصوص دنوں میں رات رات بھر جاری رہتا۔ آج کل مولانا محمد الیاس قادری گھر پر مریدین و متوسلین سے ملاقات کرتے ہیں۔

مجھے اپنے لئے اور چند دوستوں کیلئے کتابیں خریدنا تھیں اس غرض سے میں نے کتابوں کے ریک پر نظر دوڑائی تو مجھے کتب احادیث اور تفاسیر قرآن کے علاوہ بہت ساری نئی کتابیں دکھائی دیں جن میں زیادہ تر کتابیں مولانا الیاس قادری کی تھیں جو ہندوستان میں بھی باآسانی دستیاب ہیں اسکے علاوہ دیگر کتابوں میں مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی اور علامہ فیض احمد اویسی صاحب اور چند دیگر علماء کی کتابیں موجود تھیں۔ چونکہ یہ مکتبہ زیادہ تر اپنی ہی شائع کردہ کتابیں فروخت کرتا ہے اسلئے دیگر ناشرین کی کتابیں بہت محدود تعداد میں موجود تھیں۔ میں نے وہاں سے مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کی اور دیگر چند کتب خریدیں۔

پھر وہاں سے میں قریب ہی موجود ضیاء الدین پبلی کیشنز (برکاتی پبلشر) گیا۔ وہاں مختلف ریکوں پر رکھی ڈھیر ساری کتابیں دیکھکر میں مبہوت ہو گیا۔ کتابوں میں سے زیادہ تر علامہ فیض احمد اویسی صاحب کی تصانیف موجود تھیں چونکہ موصوف ابتک تقریباً ڈھائی ہزار کتابیں لکھ چکے ہیں اس لئے مارکیٹ میں انکی کتابوں کی ایک معتدبہ تعداد دستیاب ہے۔ ان دنوں پاکستان میں اچھا لٹریچر شائع ہو رہا ہے۔ کتابوں کے چار رنگی سرورق نہایت ہی خوبصورت اور جاذب نظر ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر دل یہ کرتا تھا کہ فوراً ہی تمام کتابیں خرید لوں لیکن جیب اس کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ میں نے تمام کتابوں میں سے اپنے کام کی کتابیں منتخب کیں اور جب اُن کا حساب کیا تو جیب میں موجود رقم سے زیادہ ہو گیا اسلئے مجبوراً چند کتابیں چھوڑ دیں جنہیں بعد میں دوبارہ جاکر خرید لیا۔ یہاں پاکستان میں کتابیں

خریدنے سے مجھے کئی فائدے ہوئے۔ ایک تو یہ کہ یہ کتابیں ہندوستان میں نایاب تھیں اگر مل بھی جاتیں تو ڈیڑھ گنا قیمت پر یعنی جو کتاب پاکستان میں دس روپے کی ہے وہ ہندوستان میں پندرہ روپے میں ملتی جبکہ پاکستان میں کتابیں ۲۵ فیصد ڈسکاؤنٹ میں مل گئیں یعنی دس روپے کی کتاب ساڑھے سات روپے میں۔

یہاں سے مجھے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے دفتر جانا تھا لہٰذا بس میں سوار ہو کر میں روانہ ہوا۔ یہاں راستوں میں ٹیلی فون بوتھ نظر آئے جہاں مشین میں سِکّے کی جگہ ٹیلی فون کارڈ کے ذریعے سے آپ کراچی، پورے پاکستان یا دنیا بھر میں کہیں بھی بات کر سکتے ہیں۔ اس قسم کے کارڈ ہندوستان میں رائج نہیں ہیں البتہ بیشتر عرب ممالک اور مغربی ممالک میں استعمال کیے جا رہے ہیں۔ مختلف قیمتوں کے کارڈ جیسے سو روپے، دو سو روپے وغیرہ عام دستیاب ہیں کارڈ میں اتنی قیمت کا وقت بھرا ہوتا ہے جتنا آپ بات کریں گے اتنا وقت کم ہو جائے گا۔

جلد ہی میں ادارہ کے آفس پہنچ گیا۔ وہاں ادارہ کے اکاؤنٹنٹ زاہد بھائی نے بتایا کہ میری لاہور کی ٹکٹ آگئی ہے ۲۴، جولائی شام چھ بجے نائٹ کوچ سے مجھے روانہ ہونا تھا جو مجھے صبح تقریباً دس بجے لاہور پہنچا دیتی۔ اسی وقت پروفیسر شفقت حسین صاحب کا حسن ابدال سے میرے لئے فون آیا جنہیں میں نہیں جانتا تھا انھوں نے بتایا کہ وہ سید صابر حسین شاہ بخاری صاحب کے دوست ہیں اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ لاہور کب آرہے ہیں تاکہ بخاری صاحب بھی وہاں آکر آپ سے مل لیں۔ میں نے انھیں اپنے لاہور پہنچنے کا دن اور وقت بتا دیا۔

پھر میں ادارہ کی لائبریری کی کتابیں دیکھتا رہا۔ یہاں رضویات پر نئی نئی مطبوعات بھی ناشرین بھجوا دیتے ہیں رضویات پر مشتمل رسائل و اخبارات کے خصوصی شمارے بھی یہاں موجود ہیں اس کے علاوہ امام احمد رضا کے نایاب اور غیر مطبوعہ رسائل بھی ایک لائبریری میں محفوظ ہیں غرضیکہ یہاں رضویات سے متعلق اس قدر مواد موجود ہے کہ کوئی بھی شخص یہیں بیٹھ کر کسی بھی موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ سکتا ہے۔

اسی اثنا میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب آفس میں تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب کا بھی لاہور جانے کا پروگرام تھا اور انھوں نے ۲۱، جولائی کے ٹکٹ منگوائے تھے۔ لیکن انھوں نے بتایا کہ اُن کا پروگرام بدل گیا ہے اور اب وہ کراچی سے ہی بذریعہ ہوائی جہاز دہلی جانے والے ہیں۔ مجھے زاہد بھائی

نے بتایا کہ ڈاکٹر عزیزی صاحب کا ٹکٹ کل شام کا ہے اسوقت شام ہو گئی ہے ٹکٹ کینسل نہیں ہو سکے گا اگر کل ٹکٹ کینسل کروائے جائیں تو پورے پیسے نہیں ملیں گے، کافی نقصان ہو گا لہذا آپ ان کی ٹکٹ پر چلے جائیں آپ کی ٹکٹ کینسل کروادی جائیگی اور نقصان بھی نہیں ہو گا۔ چونکہ ٹکٹ اسی ٹرین کے تھے اور میرے جانے سے زائد رقم کا نقصان بھی نہیں ہوتا اسلئے میں نے انکی ٹکٹ پر جانے کیلئے حامی بھر لی۔ پھر میں نے برادرم اقبال صاحب سے کہا کہ میرا لاہور کا یہ پہلا سفر ہے اور وہاں پر میرے کوئی عزیز و اقارب نہیں رہتے ہیں۔ میں وہاں صرف ان علماء کرام کی زیارت کی غرض سے جا رہا ہوں جو دن رات مسلک اہلسنت کی ترویج و اشاعت میں کوشاں ہیں۔ وہاں کے راستوں سے بھی میں ناواقف ہوں پھر کسطرح میں پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کے ہاں پہنچ سکوں گا۔ انہوں نے کہا کہ میں ابھی کوریئر سے آپ کے آنے کی اطلاع کا ایک خط بھیج دیتا ہوں جو کل ہی صبح ان کو مل جائے گا اور وہ خود لینے آجائیں گے یا کسی کو لینے کیلئے بھیج دیں گے۔ اس پر مطمئن ہو گیا اور تھوڑی دیر رک کر گھر واپسی کیلئے روانہ ہو گیا۔

آج منگل ۲۱، جولائی لاہور کیلئے روانگی تھی اسلئے کہیں باہر نہیں گیا اور دن بھر پڑھنے لکھنے میں یا چھوٹے موٹے کام کرنے میں وقت گزار دیا۔

پاکستان ایک عجیب ملک ہے قارئین کو اس روداد میں صرف تنقید ہی تنقید نظر آئیگی حالانکہ کوئی بھی غیر جانب دار شخص اگر تجزیہ کرے تو وہ وہی محسوس کرے گا جو میں نے لکھا ہے۔ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا، دو قومی نظریہ کی بنیاد پر حاصل کیا گیا اور دو قومی نظریہ ایک اسلامی نقطۂ نظر ہے لیکن اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اس ملک میں اسلام سے زیادہ قوم پرستی نظر آتی ہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا تمام ذرائع ابلاغ سے قوم پرستی کی گھٹی پلائی جاتی ہے۔ قومی ترانہ اور وطن کی محبت کے ملی نغمے (پاک سرزمین شاد باد ...... دِل دِل پاکستان، جاں جاں پاکستان ...... پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ ...... وغیرہ) صبح و شام ٹی وی، ریڈیو پر بجائے جاتے ہیں یہاں تک کہ ۱۴، اگست جو کہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کا دن ہے اور یوم آزادی سے تعبیر کیا جاتا ہے، کے آنے میں کافی دن باقی تھے لیکن میں نے دیکھا کہ کراچی کے بازاروں میں قومی پرچم مختلف شکلوں (کپڑے کے بڑے بڑے جھنڈوں، چھوٹی چھوٹی کاغذ کی جھنڈیوں، بیجز، کیپ وغیرہ) میں لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہو رہا تھا۔ مملکتِ خداداد اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کہتے ہوئے یہاں لوگوں کی

زبانیں نہیں تھکتیں مگر اسلام صرف نام نہاد رہ گیا ہے وہ تو ضیاء الحق کی مہربانی سے قومی لباس مسلمان ہو گیا ورنہ بطور مسلمان شناخت بھی مشکل ہو کر رہ جاتی۔

ہندوستانی مسلمان ساری دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ پاکستانی مسلمانوں کیلئے بہت پاکیزہ اور نیک جذبات رکھتے ہیں۔ ایک تو ایمانی رشتہ سے اور دوسرے برسہابرس کے نسبی و نسلی رشتہ سے۔ لیکن ان کے سامنے جب ان کی خلافِ اسلام شبیہ سامنے آتی ہے تو وہ بہت بد ظن ہو جاتے ہیں (ویسے اِس میں پاکستانی مسلمانوں کی ہی کیا تخصیص اس سے بد تر شبیہ بیشتر اسلامی ممالک بلکہ سعودی عرب کے مسلمانوں کی ہے جہاں پردہ میں رہ کر آپ ہر طرح کے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں)۔ مے نوشی، جسم فروشی، رشوت خوری، بد عنوانی، کالابازاری وغیرہ تمام لعنتیں یہاں عام ہیں۔ یہاں بچارے جو صحیح مسلمان ہیں وہ ایمان کو تیسرے درجے میں رکھنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے ہیں کیونکہ ان حالات کے پیدا کرنے میں باطل اور طاغوتی طاقتوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ آج پاکستان اور دنیا بھر کے اسلامی ممالک کی حکومتیں طاغوتی طاقتوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ہے۔ سب کے سب جکڑے ہوئے ہیں ان کے جال میں۔ آخر کوئی کرے تو کیا کرے؟ لیکن اس کے مجرم عوام بھی ہیں کیونکہ دشمنوں سے بے خبر اور غافل رہ کر دشمنی کے مواقع دینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

دوپہر تین بجے بس میں بیٹھکر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے آفس گیا مجھے اقبال بھائی نے کہا تھا کہ یہاں سے کوئی آپ کو اسٹیشن چھوڑنے چلا جائے گا۔ وہاں آفس میں سب سے الوداع کہکر میں خالد بھائی کے ہمراہ اسٹیشن گیا۔ ٹرین ترقی پذیر ممالک کی روایت کے مطابق ایک گھنٹہ تاخیر سے آئی۔ نائٹ کوچ ایکسپریس مکمل ایر کنڈیشن گاڑی ہے اور آرام دہ بھی جو راتوں رات سفر کر کے صبح آپ کو منزل مقصود پر پہنچادیتی ہے۔ سفر آرام سے کٹا اور کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں ہوا۔

ٹرین نے صبح ۱۱ بجے لاہور کی سرزمین پر مجھے پہنچادیا۔ پھر میں کافی دیر تک منتظر رہا کہ فاروقی صاحب یا کوئی مجھے لینے آئے گا مگر انتظار بیکار رہا۔ بالآخر میں اسٹیشن سے باہر نکل آیا۔ لاہور میرے لیے بالکل اجنبی شہر تھا میرے پاس یہاں کے دوستوں کے پتے تو موجود تھے لیکن میں راستوں سے بالکل ناواقف تھا۔ اقبال بھائی نے بتایا تھا کہ یہاں تانگے والے پانچ روپے فی سواری داتا دربار لیجاتے ہیں۔ میں بھی ایک تانگہ میں جابیٹھا جس کا مالک پنجابی لب ولہجہ میں آوازیں لگا رہا تھا۔ تانگے کے پچھلی جانب بیٹھا میں راستوں کے دونوں جانب اپنی مطلوبہ جگہ (مکتبۂ نبویہ) کو تلاش رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد

ہی میری نگاہ راستہ کے بائیں جانب مکتبہ نبویہ کے بورڈ پر پڑی اور میں فوراً تانگہ رکوا کر اتر گیا۔

میں مکتبۂ نبویہ میں داخل ہوا تو اندر دکان میں کاؤنٹر پر ایک آدمی بیٹھا تھا جو دکان کا سیلز مین معلوم ہوتا تھا جبکہ دکان کے بیچ ایک کرسی پر ایک صحت مند ادھیڑ عمر شخص سفید شلوار قمیص اور جالی دار ٹوپی میں ملبوس بیٹھے دکھائی دیئے میں نے اپنا تعارف کرایا تو فوراً اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور مصافحہ و معانقہ کیا۔ یہی پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب تھے جنہوں نے مجھ سے سینکڑوں میل دور رہتے ہوئے بھی میری ہر طرح کی مدد کی، رہنمائی کی سب سے بڑھکر کام کرنے کیلئے بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ میں نے جب انھیں افکارِ رضا شروع کرنے سے قبل اپنی بے سروسامانی اور وسائل کا رونا رویا تھا تو انھوں نے جوابی خط میں لکھا تھا کہ ہم نے جب کام شروع کیا تھا تو صرف ایک قلم اور ایک رجسٹر تھا اور اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کا سہارا جن کے بل بوتے پر آج مرکزی مجلس رضا کا نام اعلیٰحضرت کے افکار و نظریات کو عام و تام کرنے میں اولیت رکھتا ہے۔ افکارِ رضا کے شروع دن سے لیکر آج تک حضرت اقبال احمد فاروقی صاحب نے ہمیشہ تعاون دیا ہے ان کا قلم ہی ماشاء اللہ سحر انگیز ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے دلوں کو مسخر کر دیتے ہیں۔ انھوں نے ہمیں اپنے قلم ہی سے اسقدر حوصلہ اور ہمت عطا فرمائی کہ ہم ہمیشہ ان کے احسان مند رہیں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے افکارِ رضا کا چراغ جہانِ رضا کی شمع سے ہی جلایا ہے

مجھ سے ملنے کے بعد کوئی جلدی یقین نہیں کرتا کہ میں ہی مدیرِ افکارِ رضا ہوں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کوئی عالم، فاضل، صحت مند اور عمر رسیدہ شخص ہوں گا مگر جب مجھ سے ملاقات ہوتی ہے تو سارے تصورات چکنا چور ہو جاتے ہی۔ بلاشبہ یہ سب اللہ عزوجل اور اس کے حبیب پاک ﷺ کا فضل و کرم ہے کہ وہ مجھ حقیر سے کام لے رہا ہے۔ فاروقی صاحب کہنے لگے "آپ نے تو بڑی ہمت کر دی، اپنے دوستوں سے ملنے اتنی دور چلے آئے۔" اور یہ حقیقت بھی ہے کہ میرے جن لوگوں سے روابط اور دوستی ہے تو صرف اور صرف اللہ کیلئے ہے۔

فاروقی صاحب مجھ سے بہت محبت سے پیش آئے فوراً ناشتہ کروایا۔ ممبئی کے علماء اہلسنت اور سنی اداروں کے حالات دریافت کیے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ قادری صاحب آپ یہیں لاہور میں ہی رک جایئے اور یہیں سے "افکارِ رضا" نکالا کیجئے۔ میں ان کی باتیں سن کر صرف مسکرا کر رہ گیا۔ ہم باتیں کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اس نے پولی تھین بیگ میں کوئی چیز فاروقی صاحب کو لا کر دی، انھوں نے فوراً میری طرف وہ تھیلی بڑھا دی اور کہا کہ یہ داتا گنج بخش کے مزار کا تبرک ہے۔ میں نے

کھول کر دیکھا تو اس میں مزار پر چڑھائے گئے پھول اور بتاشے وچھوہارے وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔
مجھے اپنی خوش بختی پر فخر محسوس ہوا کہ ابھی میں نے داتا دربار میں حاضری بھی نہیں دی اور مجھے بغیر جائے ہی اس دربار عالیشان کی سوغات مل گئی۔ سبحان اللہ اسی اثناء میں وہاں کوریئر ڈاک سے اقبال احمد اختر القادری صاحب کا خط آیا جو انھوں نے میری آمد کی اطلاع دینے کیلئے بھیجا تھا مگر وہ میرے آنے کے بعد آیا۔ یہ ترقی پذیر ممالک کا طرہ امتیاز ہے کہ یہاں مسافروں کے آنے کی اطلاع ان کی آمد کے بعد پہنچتی ہے۔
پھر فاروقی صاحب مجھے اپنے ہمراہ لیکر دوکان سے باہر نکلے۔ دکان کے بالکل بغل میں مسجد ہے اور اس کے بعد کتابوں کی دکانوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ تصوّف فاؤنڈیشن، مکتبہ ضیائے حرم اور بھی چند کتابوں کی دکانیں ہیں جن کے نام میری ناقص عقل نے یاد نہ رکھ سکے۔ وہاں سے بائیں طرف گلی میں ہم مڑ گئے۔ اس گلی کے نکڑ پر چند دکانوں کے بعد فاروقی صاحب نے "مکتبہ قادریہ" کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب کا مکتبہ ہے جو کہ اس وقت بند تھا وہاں کارنر پر ایک مکتبہ "مسلم کتابوی" کا تھا۔ فاروقی صاحب نے ان لوگوں سے میرا تعارف کرایا۔ کاؤنٹر پر ایک نوجوان شخص بیٹھا تھا جو کہ شاید دکان کا مالک لگتا تھا میں نے دریافت کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ پھر میری نظریں کتابوں کے ریک پر نئی کتابوں کی تلاش میں دوڑنے لگیں میں نے اپنے مزاق اور مزاج کے حساب سے کتابیں پسند کیں۔ فاروقی صاحب نے مجھے اسپیشل ڈسکاؤنٹ دلوایا اور میں وہاں سے کتابیں لیکر نکل آیا۔ وہاں بالکل کی طرف مکتبۃ المدینہ کی دکان تھی جہاں اکثر تحریک دعوت اسلامی کی کتابیں دستیاب تھیں۔ اسی سے متصل ایک نئی عمارت نظر آئی۔ فاروقی صاحب مجھے وہاں لے گئے۔ وہ حال ہی میں تعمیر شدہ کتابوں کی مارکیٹ ہے جس کا نام "دربار مارکیٹ" ہے اور وہاں صرف سنی ناشرین کی دکانیں ہیں۔ چونکہ حال ہی میں یہ تعمیر ہوئی تھی اس لئے اکثر دکاندار اپنی دکانوں کی تزئین وآرائش میں لگے ہوئے تھے۔ فاروقی صاحب مجھے سب سے پہلے "گنبدِ خضراء پبلی کیشنز" لے گئے جو کہ مفتی محمد خان قادری صاحب کا ذاتی مکتبہ ہے۔ مفتی محمد خان قادری صاحب وہی ہیں جنہوں نے "شرح سلامِ رضا" لکھی ہے۔ اس کے علاوہ موصوف نے کثیر تعداد میں عربی کتابوں کے اردو تراجم کر کے عالمی دعوت اسلامی (یہ تحریک دعوت اسلامی سے علیحدہ اشاعتی ادارہ ہے) کے تحت شائع کیے ہیں۔
ان کے سامنے ہی زاویہ پبلی کیشنز کا مکتبہ ہے جس کے مالک مولانا قاری رضاء الدین صدیقی صاحب

ہیں موصوف بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ حالانکہ میں ان سے بالکل ناواقف تھا لیکن جب فاروقی صاحب نے تعارف کرایا تو وہ مجھ سے بہت تپاک سے ملے اور اپنی چند تصانیف بھی تحفتاً پیش کیں۔ وہاں سے چند دکان قبل علامہ محمد معراج الاسلام صاحب کا مکتبہ ہے وہاں پر ان کے صاحب زادے سے ملاقات ہوئی۔ اس مکتبہ میں مولانا محمد معراج الاسلام صاحب کی چند تصانیف کے علاوہ کثیر تعداد میں پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کی کتابیں بھری ہوئی تھیں جو تمام ہی علماء کے نزدیک متنازیہ شخصیت کے مالک ہیں۔ اس کے سامنے ہی مولانا انیس احمد نوری صاحب کا مکتبہ ہے موصوف مکتبہ نوریہ رضویہ کے نام سے سکھر میں مکتبہ چلاتے تھے۔ دربار مارکیٹ کو سنی کتابوں کی مارکیٹ بنانے کیلئے سنی ناشرین حضرات اپنا کاروبار یہاں لے آئے۔ جناب انیس احمد نوری صاحب سخت متشدد سنی ہیں۔ موصوف کسی بھی موضوع پر کتابیں لکھیں ردِ وہابیہ لکھنا نہیں بھولتے۔ انکی ایک کتاب "شادی کا تحفہ" ممبئی کے ہمارے ایک دوست جناب سلیم برکاتی صاحب نے اردو اور ہندی میں شائع کر کے مفت تقسیم کی۔ لاہور میں تمام ہی علماء و مصنفین حضرات سے مل کر میں بہت خوش ہوا۔ کہاں میں اور کہاں یہ عالی مرتبت حضرات جو کہ افتخارِ سنیت ہیں۔ الحمد للہ رب العلمین۔ باقی آیندہ انشاء اللہ

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

تحریکِ فکرِ رضا

ہمارے مقاصد:

- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔
- علمائے اہلِ سنت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔
- امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔
- امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔
- اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔
- ہر اٹھتے ہوئے سوالوں کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجیے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مددگار ہوگا۔